www.urduchannel.in

بچّوں کا ادب

بچّوں کی کہانیوں کا مجموعہ

باتصویر

کہانی راج کرتی ہے

مصنف

محمد عمر انصاری

جملہ حقوق بحق مصنف

کتاب کا نام	:	کہانی راج کرتی ہے
مصنف	:	محمد عمر انصاری
ترتیب وتہذیب	:	محمد جاوید انصاری
سنِ اِشاعت	:	سنہ ۲۰۱۷ء
صفحات	:	۹۶
قیمت	:	۷۲۔روپئے
تعدادِ اِشاعت	:	۵۰۰
ناشر	:	مصنف
طباعت	:	ہمدم پریس، مالیگاؤں
سرورق ٹائٹل اور اندرونی صفحات کی تصاویر	:	مصنف
کمپوزنگ	:	مصنف
فون نمبر مصنف	:	۰۹۲۷۲۳۹۵۶۹۴

ملنے کا پتہ: گھر نمبر ۳۶۹۔ اسلامپورہ مالیگاؤں ضلع ناشک (مہاراشٹر) 423203

سویرا بکڈ پو، سٹی بکڈ پو، اطفال بکڈ پو، محمد علی روڈ، مالیگاؤں ضلع ناشک 423203

یہ کتاب ’قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان‘ کے مالی تعاون سے شائع کی گئی ہے نیز شائع شدہ مواد سے اُردو کونسل کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

www.urduchannel.in

پیش لفظ

میَں ایک مدرّس ہوں، اِس وجہ سے بچّوں کی نفسیات کا کچھ علم تو رکھتا ہوں۔ بچّے جب تک چودہ پندرہ برس کی حد میں داخل نہیں ہو جاتے، اُس وقت تک اُن کے بچپن کی جِبلّتیں اُن کے رویّے سے مترشح ہوتی رہتی ہیں۔ چھوٹی عمر کے بچّے جو اسکول پڑھتے ہیں، وہ نصاب کی دوسری چیزوں سے جتنی رغبت رکھتے ہیں، اس سے کہیں زیادہ وہ کہانیوں سے دِل چسپی رکھتے ہیں۔ اس وقت کہانیوں سے اُن کی دل چسپی فطرت کے عین مطابق ہوتی ہے۔

کورس کی چیزوں میں زباندانی، سائنس، تاریخ، جغرافیہ، حساب، سبھی کچھ شامل ہوتے ہیں۔ اِن تمام اَصناف کی تمام جُزیات بچّوں کے دِماغ میں محفوظ نہیں رہ پاتی ہیں۔ ان میں کی کچھ باتیں وہ یاد رکھ پاتے ہیں اور کچھ باتیں بھؤل جاتے ہیں۔ البتّہ سُنی ہوئی کہانی اُنھیں پؤری کی پؤری یاد رہتی ہے۔

یہ بات بھی دیکھنے کو ملی ہے کہ اَسباق کی ضمنیات ذہن نشین کرانے کے لئے جہاں کہیں مدرّس کو کسی قصّے یا کہانی کا سہارا لینا پڑتا ہے، فہمائش کے اُس مرحلے پر بچّے پؤری طرح مدرّس کی طرف متوجّہ ہو جاتے ہیں اور اُس کہانی کے ذریعے جغرافیہ یا سائنس کا مجوزہ کلیہ آسانی سے اُن کے ذہن نشین ہو جاتا ہے جسے وہ پھر کبھی نہیں بھول پاتے۔

اسکولوں میں اَسباق کی فہمائش کے لئے بے شمار لوازمات (وسائلِ تعلیم) ہوتے ہیں۔ اِن لوازمات کا اِستعمال کر کے مطلوبہ یونٹ کی پیش کش میں پوری جان ڈال دی جاتی ہے۔ اس طرح کوئی یونٹ جو بچّوں کے ذہن میں پوری طرح سما چکا ہوتا ہے، پھر اُس سبق کو دوبارہ، سہ بارہ پیش کرنے کے لئے وہ اپنے اُستاد سے فرمائش نہیں کرتے۔ لیکن وہی بچّے

پؤری طرح سمجھ میں آئی ہوئی کہانی کو دوبارہ، سہ بارہ سُننے کی خواہش ظاہر کرتے ہیں۔

اِس کے علاوہ بھی بہت سے دلائل ہیں جو 'بچپن میں کہانی کی اہمیت' کو اُجاگر کرتے ہیں؛ ان تمام دلائل کو اگر پیش کِیا جائے تو یہ پیش لفظ ایک کتابچے کی شکل اختیار کر جائے گا۔ حاصلِ گفتگو یہ ہے کہ 'بچپن کی عمر میں بچّے کے دِل و دِماغ پر کہانی راج کرتی ہے۔'

ابھی تو میَں نے کہانیوں کے فائدے نہیں گنوائے ہیں۔ کہانیوں کے فوائد پر تو الگ سے ایک کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ آج کے زمانے کے بہت سارے لوگ کہانیوں کی اہمیت کو نہیں سمجھ پا رہے ہیں جس کی بہت سی وجوہات ہیں۔ ایک خاص وجہ تو یہ ہے کہ وہ اُس عمر میں کہانی کے مسئلے پر غور کرتے ہیں جب وہ 'کہانی سے دلچسپی' کے مرحلے سے گزر چکے ہوتے ہیں۔ اس مسئلے کی فہم سے محرومی کی ایک وجہ اور بھی ہے: وہ یہ کہ اُن کے اپنے بچپن میں وہ کسی اچھے قصّہ گو سے محروم رہے ہوتے ہیں اور کہانی کی لذّت سے آشنا نہیں ہوتے۔

اِس کتاب میں کہانیوں کے ساتھ ہی ساتھ میَں نے کچھ معمّے بھی رکھ چھوڑے ہیں یہ میرے تیار کئے ہوئے معمّے ہیں، اِدھر اُدھر سے لئے ہوئے نہیں ہیں۔ اِن معمّوں کا اَنداز بھی 'مختصر کہانی' کے جیسا ہی ہے اور انھیں میَں نے بچّوں کی دلچسپی کے لئے کتاب میں شامل کِیا ہے۔ پیش کردہ کہانیوں میں بھی بچوں کی دل چسپی اور تفریح کو میَں نے ترجیح دی ہے۔

اِس کتاب کی تیاری پر میَں خدا کا شکر اَدا کرتا ہوں۔ میَں اپنے بزرگوں، دوستوں، ہمدردوں، ساتھ ہی 'اُردو کونسل' کا شکر گزار ہوں جن کے تعاون سے یہ کتاب تیار ہو سکی ہے

مجھے اُمّید ہے کہ آج کے بچّے اِس کتاب سے خاطر خواہ استفادہ کریں گے اور یہ کتاب اُن کے ذہنی اِرتقاء اور ذوقِ مطالعہ کے پروان کا سبب بنے گی۔

مصنف

www.urduchannel.in

فہرست

کہانیاں...	صفحہ نمبر
۱۔مُرغی کا نرالا بچّہ	6
۲۔شیطان رات میں نظر آتا ہے	10
۳۔معمّہ: جھمری کی گائے	16
۴۔اَصلی موتی کھاؤں گا	18
۵۔پوسی کی دُرگت	24
۶۔معمّہ: بچّے اور کھلونے	26
۷۔شرارت کی پھلّی	27
۸۔جنّت کا بجوُکا	32
۹۔معمّہ: ہاتھی کا وزن	35
۱۰۔خوُن پسینے کی روٹی	37
۱۱۔دیو اور غبّارے	44
۱۲۔معمّہ: گیند کا سفر	47
۱۳۔موبائل فون کا چمتکار	49
۱۴۔فرشتے کی سادگی	53
۱۵۔معمّہ: گونگا بہرا دُکان دار	63
۱۶۔سانپ کی گرفتاری	65
۱۷۔ماہم کا میلہ، چالاک لڑکی	68
۱۸۔بوُڑھے کی دانائی	70
۱۹۔معمّہ: اِمتحان کی بس	73
۲۰۔کہانی راج کرتی ہے	75
۲۱۔جنگل کی آگ	81
۲۲۔معمّہ: آپ کی سُستی کا شُکریہ	92
۲۳۔معمّوں کے جوابات	94

مُرغی کا نرالا بچّہ

کلّو جنگلی مُرغی کا بچّہ تھا۔ وہ مُرغی کے بچّوں میں سب سے نرالا تھا۔ وہ اُسی طرح کا آوارہ بھی تھا جس طرح کے ایک آوارہ چوُزے کا ذِکر پُرانی کتابوں میں مِلتا ہے کہ وہ چوُزہ آوارہ پھرتا پھرتا ایک مرتبہ طوُفانی ہَوا کے ساتھ اُڑ کر چلا گیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ ایک اونچی عمارت کے گنبد پر پہنچ کر سوُلی چڑھ گیا تھا اور مُرغِ بادنما بن کر رہ گیا تھا۔

کلّو عادت سے مجبوُر تھا۔ اُس کے مزاج میں آوارہ پن تھا۔ وہ روز سویرے مُرغی کو چکمہ دے کر نہ جانے کہاں چلا جاتا پھر شام کو واپس آ جاتا۔ مُرغی اُسے دیکھتے ہی اپنے دِل میں کہتی کہ 'آج بھی کچھ نئی لایا ہوگا' پھر وہ اُس سے سوال کرتی کہ دِن بھر وہ کہاں تھا تو کلّو جواب میں نئی نئی داستان سُنانے بیٹھ جاتا۔ اُس وقت مُرغی کی پلکیں نیند سے بوجھل ہوئی جاتیں پھر داستان اَدھوُری رہ جاتی اور آخر میں مُرغی اور کلّو دونوں سو جاتے۔

صبح سویرے کلّو درخت پر سے اُترتا۔ تھوڑی دیر اِدھر اُدھر ٹہلتا اور پھر ایکا ایکی خوُب

www.urduchannel.in

اونچی اُڑان بھرتا اور درخت کی اونچی شاخ پر جا بیٹھتا۔مُرغی اُس کی اونچی اُڑان دیکھ کر خوش ہوتی اور مُسکرا اُٹھتی۔اُسے ککّو کی اُڑان کا ایک انوکھا واقعہ یاد آجاتا۔

ایک مرتبہ ککّو درخت کی اونچی شاخ پر بیٹھا ہوا تھا۔درخت سے کچھ اونچائی پر ایک پتنگ کی ڈور اُس نے دیکھی۔ککّو نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، وہاں سے ایک اور اُڑان بھری۔اُڑ کر گیا اور پتنگ کی ڈور اپنی چونچ میں داب لی۔پتنگ اونچی ہوتی گئی اور اُس کے ساتھ ہی ککّو بھی آسمان کی سیر کرنے لگا۔پھر آسمان میں اُسے ایک چیل دِکھائی دی۔چیل کو دیکھ کر ککّو نے

ڈور چھوڑ دی اور اُڑتا ہوا واپس اپنے درخت کی طرف بڑھا۔وہ تیر کی طرح آکر اپنے درخت پر اُترا پھر وہاں سے اُڑ کر چھلانگ لگائی اور مُرغی کے پاس آگیا۔تب سے اب تک جب بھی ککّو اونچی اُڑان بھرتا تھا، مُرغی کو ککّو کا یہ کارنامہ یاد آجاتا تھا۔

لیکن آج کل مُرغی ککّو کے بارے میں کچھ فکرمند رہنے لگی تھی۔ککّو روز سویرے تھوڑی دیر مُرغی کے ساتھ دانہ چُگتا پھر اَچانک اُڑ کر درخت پر چلا جاتا، پھر وہاں سے اُڑ کر بازو والی جھاڑیوں پر، اور بس وہاں سے اُڑ کر نہ جانے کہاں غائب ہو جاتا کہ پھر مُرغی کو نظر

نہیں آتا تھا۔مُرغی اپنی فوج کے دوسرے سپاہیوں کی سپہ سالاری میں دِن تیر کرتی۔جب رات ہونے لگتی تو پھر ککّو آحاضر ہوتا۔

ایک دِن مُرغی نے تہیّہ کرلیا کہ آج کی رات وہ ککّو کی خبر لے کر رہے گی اور آج اُس کی داستان پوری سُن کر ہی دَم لے گی۔ککّو رات گئے گھر آیا جب ککّو کا خاندان سو چکا تھا، صرف مُرغی جاگ رہی تھی۔ککّو نے ایک اُڑان بھری اور درخت کی اُس شاخ پر جا بیٹھا جس پر مُرغی براجمان تھی۔مُرغی کا آدھا خاندان درخت پر ہی سویا کرتا تھا۔

''ککّو! آج تو' مجھے بتائے گا کہ تو' دِن بھر کہاں غائب رہتا ہے اور کیا کرتا ہے۔'' مُرغی نے روکھے پن سے سوال کِیا۔

''ہاں ماں، ذرا دَم لے لوں تو بتاتا ہوں، آج کل مزے ہی مزے ہیں'' ککّو نے بڑی بڑی دو چار سانس لی پھر بولنے لگا:

''ہاں امّی! مَیں نے بتایا تھا نا کہ ندی کے اُس پار وہ جو گلابی حویلی نظر آتی ہے۔ بستی کے شروع میں پہلی حویلی جو نواب صاحب کی ہے...''

''ہاں حویلی مَیں نے دیکھی ہے، تو' آگے بول... وہاں تیرا کیا کام؟'' مُرغی غصّے میں پھُسپھُسائی۔

''امّی نواب صاحب کے گھر کے لوگ مجھے اِسی طرح لاڈ پیار کرتے ہیں جیسے تم مجھے چاہتی ہو''

''ہُوں''، مُرغی آنکھیں تان کر گُر گُرائی۔ککّو نے مُرغی کی اِس ہُوں کو شاباشی والی ہُوں سمجھ لیا اور پھر بڑے زور وشور سے آگے کا قصّہ بیان کرنا شروع کِیا

''جب مَیں اُڑ کر اُن کی چہار دیواری میں قدم رکھتا ہوں امّی، ہائے اُس وقت کا کیا

www.urduchannel.in

پوچھنا، نواب صاحب کی چھوٹی بیٹی مجھے لینے کے لئے دَوڑ پڑتی ہے۔ 'رانی' اُس کا نام ہے۔ رانی مجھے اپنے زانو پر بٹھا کر شیرخُرما کھِلاتی ہے۔ میَں شیرخرما میں سے کاجو، اَخروٹ، پِستہ وغیرہ اَصلی مال چُن چُن کر کھالیتا ہوُں۔ حویلی کے لوگ مجھے کھِلا پلا کر بہت خوش ہوتے ہیں جیسے میَں اُن کے گھر کا خاص مہمان ہوُں۔''

''اچھا اچھا''... مُرغی کلّو کو بڑی تیکھی نظروں سے دیکھتی ہوئی کُڑکُڑائی۔ کلّو نے مُرغی کے اِس 'اچھا اچھا' کو بھی شاباشی کے ہی حساب میں پکڑلیا۔ پھر کیا تھا۔ حویلی والوں کی مہربانیوں کی داستان تو بہت لمبی تھی جسے کلّو نے اُچھل اُچھل کر بیان کرنا شروُع کِیا؛ یہ سوچ کر کہ اب امّی سے پردہ کرنا کیا۔

'اَور کیا کیا میَں تمھیں سُناوٗں امّی! بنگالی مٹھائی، اِندور کا چوُڑا، مالیگاوٗں کی جلیبی'' ...مُرغی کی آنکھیں غصّے سے پھٹی پڑ رہی تھیں اور کلّو سمجھ رہا تھا کہ امّی کی آنکھیں حیرت سے پھٹ رہی ہیں۔ سُنتے سُنتے مُرغی ایک دَم پھٹ پڑی:

''بس کر بدمعاش، بکتا ہی جائے گا کیا' مُرغی کی چیخ بلند ہوئی۔ کلّو سکتے میں آ گیا۔ پھر مُرغی دانت پیس کر بولی:

''تبھی تو میَں کہوُں کہ تو' اب پہلے جیسی اُڑان کیوُں نہیں بھر پاتا۔ مجھے یاد ہے۔ تو' ایک اُڑان میں درخت کی سب سے اوُنچی شاخ پر جا بیٹھتا تھا اَور اب یہ حال ہے کہ پہلی دوُسری شاخ تک پہنچتے پہنچتے ہی تیرا دَم پھوُلنے لگتا ہے۔ یاد رکھ بیٹا! مٹّی کھود کھدیڑ کر ہم جو دانہ دُنکا چُگ لیتے ہیں، اُس دانے میں جو دَم خم ہے، وہ حویلی کے کھانے میں نہیں ہے۔ خبردار آج کے بعد اگر تو' نے حویلی کا رُخ کِیا۔''

شیطان رات میں نظر آتا ہے

فوما اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا لیکن ایک معاملے میں وہ سب سے آگے تھا' وہ یہ کہ فوما کسی بات سے گھبراتا نہیں تھا اور نہ کسی چیز سے ڈرتا تھا۔ عجیب بے جگر لڑکا تھا... گھر میں چوُہا دِکھائی دِیا کہ جھٹ اُس کی طرف دَوڑا، چھپکلی نظر آئی تو جھٹ اُسے مارنے کو اُٹھا۔ بلّی کتّے کے پیچھے لگنا تو اُس کا مشغلہ ہی تھا۔

ایک دفعہ کہیں سے ایک مینڈک اُچھلتا کوُدتا ہوا گھر میں آ گیا۔ اُسے دیکھ کر سب دوُر دوُر ہٹ گئے مگر فوما نے لپک کر اُسے ہاتھ میں اُٹھا لیا اور فوراً باہر کی طرف بھاگا۔ اُس نے گلی کے بچّوں کو آواز دے دے کر بُلا لیا اور مداری کی طرح مینڈک کا تماشا دِکھانے لگا۔

وہ گلی کے بچّوں کو یہ باوَر کرا رہا تھا کہ 'یہ جادوُ' کا مینڈک ہے۔ ابھی میَں منتر پڑھ کر اِس پر پھوُنکوُں گا تو یہ مینڈک خوُب بڑا ہو جائے گا، اَور خوُب اوُنچا... اپنے دھابے سے بھی

www.urduchannel.in

اُونچا ہو جائے گا اور خوب بڑا دیو بن جائے گا۔ بس اب تم لوگ دُور دُور ہو کر کھڑے رہو، ورنہ یہ تم میں سے کسی کو کھا لے گا...' ساتھ ہی ساتھ فوما 'ہوشیار خبردار' کا دَم بھی بھرتا جاتا تھا۔

محلّے کی کسی بی بی نے اُس کی امّی سے جا کر کہہ دِیا کہ 'تمھارا فوما گلی میں مداری پن کر رہا ہے۔' فوما کی امّی دَوڑی ہوئی آئیں اور اُسے ڈانٹ پھٹکار کر گھر واپس لائیں۔

فوما کے ابّو جب کبھی کوئی کہانی سُنانے بیٹھتے تو اُس کی امّی خاص طور پر تاکید کرتیں کہ 'بچّوں کو ڈراؤنی کہانیاں نہیں سُنایا کرنا' لیکن فوما ہر دَم ضِد کرتا کہ 'نہیں، بھُوت پریت کی اور جادُو کی کہانی اچھّی ہوتی ہے... ہم تو وہی کہانی سُنیں گے۔' اِس پر امّی پہلے تو فوما کو آنکھیں دِکھاتیں مگر پھر مُسکرا کر رہ جاتیں کیوں کہ فوما کے چُلبُلے پن کی وجہ سے امّی تو امّی، گھر کے سبھی لوگ اُسے بہت چاہتے تھے۔

فوما کے ابّو کے پاس ڈراؤنی کہانیوں کا اَنبار تھا اِس لئے وہ بھی کسی نہ کسی بہانے ہر کہانی میں بھُوت پریت گھُسیڑ لاتے تھے اور پھر اُنھیں خوب چٹخارے بھر بھر کر بیان کرتے؛

'وہ ڈامر کے جیسا کالا بھُتنا تھا، وہ بغیر سَر کا شیطان تھا، وہ گول مٹول جن اِس طرح دَوڑا تا تھا، کالی چُڑیل کی ناک اِتنی لمبی تھی، دانت ایسے تھے، بھُوت بازار میں اِنسانوں کا قیمہ بِکتا تھا'...

''ہاں تو بچّو! میرا اَور شیطان کا آمنا سامنا تو نہ جانے کتنی مرتبہ ہُوا ہو گا مگر میَں شیطانوں سے نہیں ڈرتا'...

''میَں بھی نہیں ڈرتا۔'' فوما جھٹ بیچ میں بول اُٹھا۔

''ارے فوما، شیطان کا سامنا ہو گا تب کی بات ہے رے بھئی۔'' سوجر بولا۔

''ہونے تو دو سامنا، میَں نہیں ڈرنے والا، کیا سمجھے!'' فوما نے ڈھٹائی دِکھائی۔

''اور اگر بچّے اِن قِصّوں کو سچ سمجھ لیں گے تو؟'' فوما کی امّی نے ٹوکا۔

''سچ ہی تو سمجھنا چاہیے؛ اِس سے اُن کی ہمّت بڑھے گی۔''

''ہمّت بڑھے گی، پھر بچّے بھُوت پریت کی تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے، جنگل بیابان کی خاک چھانیں گے۔ بڑا اَچھّا رہے گا، ہے نا؟'' فوما کی امّی چڑ کر بولیں۔

''ابّو ابّو! ہمیں شیطان دِکھانے لے چلو گے نا؟'' فوما امّی کی بات کاٹ کر بولا۔

''ارے بیٹا! شیطان تو کبھی کبھی دِکھائی دیتا ہے اور وہ بھی رات کے وقت، سمجھے!''

ایک رات کی بات ہے۔ فوما کے ابّو اُوپری منزل سے نیچے اُترے اور بڑی جھونک میں آئے، آ کر بچّوں سے اِس طرح کھسر پھسر کرنے لگے جیسے کوئی بہت راز کی بات ہو؛

''بچّو! تم لوگ کہتے تھے نا کہ کسی وقت ہمیں بھی شیطان دِکھانا' تو آؤ، آج میَں تمھیں شیطان دِکھاتا ہُوں۔''

اُس وقت فوما گھر پر موجود نہیں تھا ورنہ وہ تو سب سے پہلے کُود پڑتا۔ آخر فوما کے ابّو باقی بچّوں کو لے کر اُوپری منزلے کی جانب بڑھے یہاں تک کہ وہ عمارت کی ٹیریس پر کھُلی جگہ میں جا پہنچے پھر وہاں آسمان میں ایک طرف اِشارہ کِیا:

www.urduchannel.in

''دیکھو! ہماری بلڈنگ سے تھوڑی دوُر پر...وہ رہا شیطان ۔ بڑی دیر سے فضا میں لٹکا ہوا ہے، دیکھو اُس کی دو سُرخ آنکھیں نظر آ رہی ہیں...دِکھائی دیں؟''

بچّوں نے غور سے دیکھا تو فضا میں دو آنکھیں سچ مچ چمکتی ہوئی نظر آ رہی تھیں ایسے جیسے دو اَنگارے دہک رہے ہوں۔ تھوڑی دیر تک وہ سبھی اُن چمکتی ہوئی سُرخ آنکھوں کو دیکھتے رہے پھر سوجر وہاں سے تیزی سے اُترا اور ماں کے پاس آ کر بولا:

''امّی، اوُپر تو چلو! اپنی بلڈنگ کے اُس طرف ہَوا میں شیطان لٹکا ہُوا ہے اور وہ لال لال آنکھوں سے ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔''

ماں نے لڑکے کی اِس بات کو بکواس قرار دِیا لیکن سوجر نے جب بہت ضِد کی تو وہ ساتھ چلنے پر آمادہ ہوگئیں۔ پھر بھی بلڈنگ کے زینے چڑھتے وقت وہ آیۃ الکرسی پڑھتی جاتی تھیں، پھر جب بلڈنگ کی ٹیریس پر آئیں تو آنکھیں بند کر لیں اور خوُب تیز تیز آیۃ الکرسی پڑھنے لگیں۔ بڑی مشکل سے وہ شیطان کی طرف دیکھنے کو راضی ہوئیں۔ بچّوں نے جب ماں کو شیطان کی لال لال آنکھیں بتلائیں تو وہ بھی اَچنبھے میں پڑ گئیں۔ دِل میں بولیں 'یہ تو سچ مچ کا شیطان ہے۔' اور فوما کے ابّو...وہ تو بڑے کرّ وفر سے شیطان پر لکچر دے رہے تھے۔

غرض ٹیریس پر ماں باپ اور بچّوں کے درمیان شیطان پر طرح طرح کی باتیں ہو رہی تھیں۔ سُنی ہوئی کہانیوں پر بڑے زور و شور کی بحث ہو رہی تھی۔ سب بچّے پلٹ پلٹ کر ابّو کو تعریفی نظروں سے دیکھتے جاتے تھے۔

اِتنے میں فوما اِن لوگوں کو ڈھوُنڈتا ہوا ٹیریس پر آ گیا۔ اُسے جب معلوم ہوا کہ پہلی دفعہ شیطان دیکھنے کو مِل رہا ہے تو وہ بھی اُسی طرح آسمان میں گھوُرنے لگا۔ پل دو پل گھوُرنے کے بعد فوما اَچانک اُچھل پڑا اور کہنے لگا: ''ابّو مَیں اُس شیطان کو پکڑ کر لاتا ہوُں۔''

اِتنا کہہ کر وہ ٹیریس کے اگلے کنارے کی طرف بڑھا۔

''ارے ارے، اُدھر مت جانا بیٹا! اُدھر خطرہ ہے۔'' فوما کی امّی چیخ پڑیں۔

''شیطان کے لئے خطرہ ہوگا امّی، میرے لئے نہیں۔''

اَندھیرے میں سجھائی نہیں دے رہا تھا کہ فوما کنارے پر کیا کرنے جا رہا ہے پھر ذرا میں فوما چیخ کر بولا: ...''دیکھو امّی! مَیں شیطان کو مُکّا مارتا ہوُں۔''

اِدھر اُس نے ہَوا میں مُکّا مارنا شروُع کِیا اور اُدھر دونوں لال آنکھیں فوما کے ایک

ایک مُکّے پر بُری طرح تھرّا اُٹھتی تھیں۔ وہ لوگ اسے جادوُ کا کھیل سمجھ کر دیکھ رہے تھے۔

''دیکھنا ابّو، اَب مَیں شیطان کو اپنے پاس بُلاتا ہوُں۔''

اِتنا کہہ کر فوما آگے ہاتھ پھینک پھینک کر اپنی طرف اِس طرح کھینچتا جیسے سچ مچ کسی کو بُلا رہا ہو، اور پھر سبھوں نے دیکھا کہ وہ دونوں سُرخ سُرخ آنکھیں ذرا سی دیر میں فوما کے سر پر آ گئیں۔

خوف کا عالم تھا اس کے باوجود فوما کی امّی آگے بڑھیں اور فوما کے پاس چلی گئیں۔

www.urduchannel.in

فوما کے قریب پہنچیں تو ٹھٹک کر رُک گئیں اَور زور زور سے ہنسنے لگیں۔ اُن کے اِس طرح ہنسنے پر سب دَوڑ پڑے۔ پھر سبھوں نے دیکھا کہ فوما نے ایک بڑی سی پتنگ کی ڈور اپنے ہاتھ میں تھام رکھی ہے اور وہ پتنگ اُس کے سر پر لہرا رہی ہے۔ سُرمئی رنگ کی پتنگ ہے، اُس پتنگ کے دونوں طرف لال رنگ کی دو بڑی بڑی گول پنّیاں لگی ہوئی ہیں۔ یہی لال پنّیاں تھیں جو دوُر سے لال آنکھیں دِکھائی دیتی رہی تھیں۔ اب رہ گئی پتنگ، تو رات کے کالے آسمان میں سُرمئی پتنگ کیوُں نظر آتی!

اَب تو فوما کی امّی کو مذاق کا بہانہ مِل گیا اور اُنھوں نے فوما کے ابّو کا خوُب خوُب ٹھٹھّا اُڑانا شروُع کِیا۔ فوما کے ابّو کی بڑی سُبکی ہوئی اور وہ خفّت کے مارے وہاں سے چلتے بنے۔ اُن کے جانے کے بعد ماں نے بچّوں سے کہا:

”کہتے ہیں نا کہ شیطان ہمیشہ رات میں دِکھائی دیتا ہے۔ اَب تو تم لوگ سمجھ ہی گئے ہوگے کہ وہ رات میں ہی کیوُں دِکھائی دیتا ہے۔“

معمّہ: جھُمری کی گائے

جھُمری مچھیرن نے ایک بڑی خوُب صوُرت گائے پال رکھی تھی۔ جھُمری کی بہن پارو کا کہنا تھا کہ کچھ دِن کے لئے وہ اُس گائے کو لے جا کر اپنے یہاں رکھے گی۔ پارو کا گھر دریا پار والے گاؤں میں تھا۔ وہ گائے کو لینے کے لئے جھُمری کے یہاں آئی ہوئی تھی۔

جھُمری نے اپنی گائے کو اُس کے بچھڑے کے ساتھ پارو کے حوالے کر دِیا اَور دریا کنارے آ کر اُنھیں اپنی کشتی میں سوار کر دِیا۔ پارو نے کشتی کے ایک سِرے پر گائے اور بچھڑے کا اِنتظام کر دِیا اور کشتی کا توازن برقرار رہے، اِس کے لئے خود اپنی دو لڑکیوں کے ساتھ کشتی کے دوسرے جانب بیٹھ گئی۔

اُس کے ساتھ جھُمری کی دو لڑکیاں اور بھی تھیں۔ اِس طرح پارو اَور چاروں لڑکیوں کا وزن دوسری طرف کے گائے بچھڑے کے وزن کے برابر ہو گیا اور کشتی کا توازن قائم ہو گیا۔

چاروں لڑکیوں کا وزن آپس میں برابر تھا۔ گائے کا وزن پارو کے وزن سے دُگناس تھا لیکن پارو کا وزن بچھڑے کے وزن سے دُگنا تھا۔

اگر کشتی پر کے ساتوں سواروں کا کُل وزن چار سو کِلو تھا تو بتائیے لڑکیوں میں سے ایک لڑکی کا وزن کتنا تھا؟

(معمّے کا جواب کتاب کے آخر میں)

اَصلی موتی کھاؤں گا

بَنسن ایک سجیلا اور پھرتیلا ہَنس تھا۔ دوسرے ہَنسوں کے بیچ اُس کی ایک اَلگ شان تھی۔ وہ اکثر سوچتا رہتا تھا کہ جب کبھی اَصلی موتی میرے ہاتھ آئے گا، میَں اَصلی موتی کھاؤں گا۔ اُس کی وجہ سے میرے پَر خوُب چمکیلے اور طاقت ور ہو جائیں گے۔ پھر میَں خوب اوُنچی اُڑان بھرا کروُں گا اور پرستان کی سیر کو جاؤں گا۔ پھر واپس آ کر پرستان کا حال یہاں کے راجا جی کو سُناؤں گا۔ راجا جی خوش ہو جائیں گے اور مجھے شاہی دربار کا ہَنس بنا لیں گے۔

اُسے کسی نے یہ بات بتلائی تھی کہ 'دریائے موسم کے مشرق میں دس کوس کے فاصلے پر گھوڑے پیر کی سنہری جھیل ہے۔ اُس جھیل میں کسی جگہ سنہرا سیپی ہے اور اُس سنہرے سیپی میں اَصلی موتی ہے۔ مگر اُسے حاصل کرنا ایک مشکل کام ہے۔'

'مگر اب میں جاؤں گا، اصلی موتی کھاؤں گا جس سے میرے پَر خوُب مضبوط ہو جائیں گے پھر میَں اور بھی خوُب صوُرت ہو جاؤں گا اور پرستان کی سیر کو جاؤں گا۔'

پھر بَنسن ایک لمبا سفر طے کر کے گھوڑے پیر کی سنہری جھیل پر جا پہنچا۔ اُس نے بہت دِنوں تک جھیل میں غوطہ خوری کی لیکن اَصلی موتی کا پتہ نہیں چل پایا۔ ایک رات وہ جھیل کے کنارے سو رہا تھا اور سوتے میں تھر تھر کانپتا جا رہا تھا۔ مچھلیوں کی رانی نے اُسے کانپتے ہوئے دیکھا تو اپنی سکھی سہیلیوں سے کہنے لگی کہ 'کسی طرح ڈھونڈ ڈھانڈ کر اُس ہَنس کو اَصلی موتی دے آؤ ورنہ یہ سردی سے ٹھٹھر کر مر جائے گا۔'

اس پر ایک گھونگھے نے خبر دی کہ 'بوگا مگر مچھ' جو کہ مگر مچھوں کا سردار ہے، اُس کے غار

www.urduchannel.in

میں سنہرے رنگ کی روشنی مَیں نے دیکھی ہے۔ ہو نہ ہو، یہ روشنی اُسی سنہرے سیپ سے پھوٗٹتی ہو جس میں اَصلی موتی ہے۔اور بوگا مگر مچھ ہر پوٗنَم کی رات میں شکار کے لئے نکلتا ہے اور پھر صبح دَم اپنے غار میں واپس ہوتا ہے۔بس پوٗنَم کی رات میں اُس کے غار میں سے وہ سنہرا سیپ نکالا جا سکتا ہے۔اُس کے بعد جب پوٗنَم کی رات آئی، مچھلیوں کا ایک غول مگر مچھ کے غار میں جا گھسا اور وہاں سے سنہرا سیپی نکال لایا۔اس کے بعد اُنھوں نے اپنی رانی سے پوٗچھ کر

وہ سیپی ہَنسن کو لا کر دے دِیا۔

ہَنسن موتی پا کر خوشی سے اُچھل پڑا۔اُس نے اُس سنہرے سیپی کو اپنے پنجوں میں داب لیا اور 'کوہِ سہادری' کی طرف پرواز بھری۔وہ اُڑتے اُڑتے تھک گیا اور راستے میں ایک جگہ آرام کرنے کے لئے اُترا اَور اَبھی وہ لیٹا ہی تھا کہ اُس کی آنکھ لگ گئی۔جب وہ سو کر اُٹھا تو شام ہو رہی تھی اور اُس کے پاس سے موتی والا سیپی غائب تھا۔ہَنس موتی کھو کر بہت پریشان ہُوا اور اُسے ڈھوٗنڈنے کے لئے نکل کھڑا ہوا۔

سہادری کے جنگل میں اُلو رہتا تھا۔اُلو نے دیکھا کہ شِکرا کہیں سے ایک سنہرا سیپی

لے کر آیا ہے جو رات میں روشنی دیتا ہے لیکن شِکرا پریشان ہے کہ اِس سیپی کا کیا کِیا جائے۔ یہ سیپی روشنی دینے کے علاوہ اور کس کام آئے گا۔شِکرا رات بھر سیپی کا مُنہ کھولنے کے لئے پریشان رہا لیکن وہ سیپی نہیں کھول سکا۔

اُلّو نے اُس کے ساتھ والی گلہری سے کہا کہ وہ شِکرے کو کسی طرح کا چکمہ دے تا کہ مَیں اُس سے وہ سنہرا سیپی حاصل کر لوٗں۔گلہری نے پوٗچھا کہ 'تو' اُس سیپی کا کیا کرے گا؟' تو اُلو نے کہا کہ مَیں اُس کے بارے میں بعد میں سوچوں گا۔

گلہری شِکرے کے آس پاس منڈلانے لگی۔شِکرا گلہری کو کھانے کے لئے اُڑا اَور گلہری پر آ پڑا تو گلہری جھٹ درخت کی کھوہ میں گھس گئی۔اُس کے پیچھے شِکرا بھی درخت کی کھوہ میں گھسا تو گلہری دوسری طرف کے باریک مُنہ میں سے ہو کر کھوہ سے نکل گئی۔شِکرے نے بڑی گھائی کی اور کھوہ کے چھوٹے مُنہ میں اپنی گردن پھنسا لی۔تب تک اُلّو شِکرے کے پاس کا سیپی لے کر وہاں سے رفو' چکّر ہو چکا تھا۔

اُلّو جا کر جس درخت پر بیٹھا، اُسی درخت پر ایک سیانا کوّا بیٹھا ہُوا تھا۔کوّے نے دیکھا کہ اُلّو کہیں سے سنہرا سیپی لے کر آیا ہے اَور وہ اِس میں پریشان ہے کہ اِس سیپی کا کیا کِیا جائے۔کوّے نے اُس درخت کی بلبل سے کہا کہ 'تو' ذرا اِس اُلّو کو جھانسہ دے کر اِدھر اُدھر ٹہلا۔جب وہ یہاں سے ہٹے گا تو مَیں وہ سنہرا سیپی اُس کے پاس سے پار کر دوٗں گا۔'

''مَیں کیا تیرے باپ کی نوکر ہوٗں؟'' بلبل نے جواب دِیا۔

''ہاں رے او سیانی! جب کبھی درخت پر سانپ کا حملہ ہوتا ہے، اُس وقت ہم کوّے کائیں کائیں کر کے سبھوں کو ہوشیار کرتے ہیں اور چونچ مار مار کر سانپ کو درخت سے بھگا دیتے ہیں۔اُس وقت ہم کیا تمھارے باپ کے نوکر ہوتے ہیں؟''

www.urduchannel.in

بلبل کھسیانی ہوکر رہ گئی پھر بھی وہ کوّے سے پوُچھنے لگی کہ وہ سیپی لے کر کیا کرے گا؟

’’اُس کے بارے میں مَیں بعد میں سوچوُں گا۔‘‘ کوّے نے غصّے سے کہا۔

بس پھر بلبل نے اُلّو کو تنگ کرنا شروع کِیا۔ وہ اُلّو کو پَر مار مار کر بھاگ جاتی تھی۔ آخر اُلّو بلبل کی شرارت سے عاجز آ گیا۔ وہ کھسیا کر اُڑا اَور بلبل کے پیچھے پڑ گیا۔ بلبل اُلّو کو چکمہ دے دے کر ٹہلاتی رہی۔ تب تک کوّا اُلّو کے بَر گے سے سنہرا سیپی لے کر فرار ہو گیا۔

کوّا سنہرا سیپی لے کر ندی کے کنارے ایک پتّھر پر جا بیٹھا اور پریشان تھا کہ اِس سیپی کا کیا کِیا جائے۔ ہَنسن بھی اُڑتا اُڑتا اُسی ندی کے اوُپر سے گزرا۔ ہَنسن نے دیکھا کہ ایک کالا کوّا اُس کا سنہرا سیپی لے کر ندی پر بیٹھا ہے اور گنوار کے جیسا اُس سیپی کو اُلٹ پلٹ کر رہا ہے۔ ہَنسن اُس کے سر پر آ کر منڈلانے لگا اور بولا:

’’واہ بھئی واہ، کتابوں میں لکھا ہے کہ ایسا بھی ایک زمانہ آئے گا۔‘‘

’’کیا لکھا ہے کتابوں میں؟ کیسا زمانہ آئے گا؟‘‘ کوّے نے ٹیڑھی نظر کر کے پوچھا اُس کے جواب میں ہَنسن نے کہا:... ’’کتابوں میں کچھ ایسا لکھا ہوا ہے؛

رام چندر کہہ گئے سِیا سے ایسا کل جگ آئے گا
ہَنس چُگے گا دانا دُنکا، کوّا موتی کھائے گا‘
اے کوّے! تو‘ مجھے بتا ذرا۔ تو‘ اِس موتی کا کیا کرے گا؟‘‘

’’موتی کہاں، یہ تو سیپی ہے۔‘‘

’’واہ، کالے اُلّو کے پٹھّے! تجھے تو اِتنا بھی نہیں معلوم کہ اِس سیپی کے اندر موتی ہے۔‘‘

’’آئیں، موتی ہے! تو پھر مَیں اِس سیپی کو لے کر اوُپر ہَوا میں جاتا ہوُں۔ خوُب اوُپر پہنچ کر اِس سیپی کو زمین پر پٹخ دیتا ہوُں۔ بس پھر سیپی پھٹ جائے گا اور اس میں سے موتی نکل آئے گا۔ میرے باپ دادا پُرانے زمانے میں ایسا ہی کِیا کرتے تھے۔‘‘

’’کیسا کِیا کرتے تھے؟‘‘ ہَنسن نے مذاق اُڑانے کے اَنداز میں پوچھا۔

’’میرے پُرکھے جب کہیں اَخروٹ پا جاتے تھے تو اُسے لے کر ہَوا میں اوُنچی اُڑان بھرتے تھے۔ پھر اوُنچائی پر سے وہ اُس اَخروٹ کو نیچے پھینک دیتے تھے، اس طرح وہ اَخروٹ کو نیچے پتھریلی چٹّان پر پٹک کر پھوڑ ڈالتے تھے۔ بس اَخروٹ کا گوُدا باہر نکل کر بکھر جاتا تھا اور ہم وہ اَخروٹ کھا لیتے تھے‘‘ کوّے نے بھولپن سے اپنے پُرکھوں کا کارنامہ بیان کِیا

’’اَخروٹ پھوڑ ڈالتے تھے، کھا لیتے تھے، بس اِتنی ہی عقل ہے؟ مگر یہ اَخروٹ نہیں، موتی ہے۔ جب یہ ٹوُٹ کر بکھر جائے گا تو نہ تیرے کچھ کام آئے گا، نہ میرے کچھ کام آئے گا۔ اَور موتی کھانے کا وہ طریقہ نہیں ہے جو اَخروٹ کھانے کا ہے۔ سمجھے میرے کالے بھیا!‘‘ ہَنسن نے کوّے کو ڈانٹ کر کہا۔

’’تو پھر موتی کھانے کا کیسا طریقہ ہے؟‘‘ کوّے نے ہونق بن کر پوچھا۔

’’وہ طریقہ مجھے معلوم ہے۔ وہ کوئی سادہ کام نہیں ہے۔ اُس میں چالیس دِن کی

www.urduchannel.in

تپسیا بھی ہے۔ وہ بڑی محنت کا کام ہے، تیرے بس کا نہیں ہے۔'' ہَنس نے تمکنت سے کہا۔

''ہاں تو پھر یہ سیپی تمہی لے کر جاؤ۔ یہ میرے کسی کام کا نہیں ہے۔'' کوّے نے لاچاری سے کہا۔

ہَنسن نے کوّے سے سیپی لے لیا پھر وہ کوہِ سہادری کے اُس درّے پر جا پہنچا جہاں سات طرف سے چشمے بہہ کر آتے تھے اور سات جنگلوں سے جڑی بوٗٹیوں کا رس بہا کر لاتے تھے۔ وہ سات چشمے اِکٹھّا ہو کر ایک بڑی نہر بناتے تھے۔ ہَنسن نے اُس نہر کے کنارے ریت میں پانی کا ایک جھیرا کھودا اَور اُس پانی میں سیپی ڈال دِیا۔ تھوڑی دیر میں سیپی کا مُنہ آپ ہی آپ کھل گیا اور اُس میں سے موتی باہر نکل آیا۔

ہَنسن نے چالیس دِن تک وہیں قیام کِیا۔ وہ جنگل کے پھل فروٗٹ کھاتا اَور جب پانی پینا ہوتا تو موتی مُنہ میں رکھ کر پانی پیتا۔ اِس طرح چالیس دِن میں موتی پگھل پگھل کر ہَنسن کے خوٗن میں مِل گیا۔ اس سے ہَنسن کے پَر سنہرے اور خوٗب چمکیلے ہو گئے۔

اُس ندی پر سے ایک پَری کا گزر ہوا۔ اُس پَری نے دیکھا کہ ایک بہت خوٗب صوٗرت ہَنس ہے؛ اِسے تو ہمارے پرستان میں ہونا چاہیے۔ پَری نے ہَنسن سے پرستان چلنے کے لئے کہا۔ ہَنسن راضی ہو گیا۔ پَری ہَنسن کو اُڑا کر اپنے ساتھ پرستان لے گئی۔ پرستان کا سماں ہَنسن کو ایسا بھلا محسوس ہوا کہ وہ پرستان کا ہی ہو کر رہ گیا اَور پھر اِنسانوں کی دُنیا میں واپس نہیں آیا۔

پوسی کی دُرگت

پوسی بڑی خوٗب صوٗرت بِلّی تھی۔ بستی والوں نے اُسے بڑے لاڈ پیار سے پالا تھا لیکن لوگوں کے لاڈ پیار نے اُسے بگاڑ کر رکھ دِیا تھا۔ وہ بہت شرارتی ہو گئی تھی اور اپنی شرارتوں سے اُس نے بستی والوں کی ناک میں دَم کر رکھا تھا۔

دال اور سالن کی ہانڈی اُلٹ کر بھاگ جانا، دوٗدھ کا برتن خالی کر دینا، آدھی رات کو بِلا وجہ چیخنا چِلاّنا، لوگوں کی نیند خراب کرنا، اور بھی بہت طرح کی شرارتیں وہ کرنے لگی تھی۔

دِن کے وقت لوگ کھیتوں میں کام کرنے چلے جاتے تھے لیکن کام کرتے کرتے پوسی کا خیال آجاتا تو وہ بے چیَن ہو جاتے تھے کہ پتہ نہیں ہمارے گھر کا کیا حال ہو۔ گویا پوسی بِلّی نہیں بلکہ اُس بستی کی ڈاکن بن کر رہ گئی تھی۔

جب بستی کے لوگ پوسی سے بالکل عاجز آ گئے تو اُنھوں نے ایک دِن پوسی کا پیچھا پکڑا۔ اُسے پکڑ کر ایک تھیلے میں بھر لیا۔ ایک بگھّی جو پردیس جانے کے لئے نکل رہی تھی، پوسی کا تھیلا اُنھوں نے اُس بگھّی پر چڑھا دِیا۔ بگھّی پردیس کے لئے نکلی تو راستے میں جنگل پڑتا تھا وہاں پہنچ کر بگھی والوں نے پوسی کا بندھا ہوا تھیلا جنگل میں اُتار دِیا اَور بگھّی آگے بڑھ گئی۔

پوسی تھیلے میں سے نکلنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے لگی۔ جنگل کے جانوروں نے تھیلے کو حرکت کرتے ہوئے دیکھا تو دَوڑ پڑے...ایک طرف سے شیرنی نے اپنے بچّوں کو اِشارہ کر دِیا تو دوٗسری طرف سے جنگلی کتّے دَوڑے چلے آئے، ایک کونے سے ایک بھیڑیا نمودار ہوا اَور پَل بھر میں اُنھوں نے تھیلے کو نوچ ناچ کر پوسی کو باہر نکال لیا۔

قریب تھا کہ وہ جانور پوسی کی تکّا بوٹی کر ڈالتے، پوسی مچل کر اُن کے چنگل سے نکل

www.urduchannel.in

گئی۔وہ اُچھل کر بھیڑیے کی پیٹھ پر کوُدی اور وہاں سے چھلانگ لگا کر ایک اونچے درخت پر چڑھ گئی۔اُس کے بعد وہ جانور اُس درخت کے آس پاس ہی منڈلاتے رہے۔

پوسی کے درخت پر بیٹھے بیٹھے رات ہوگئی مگر اُس کی جان کے دُشمن وہاں سے ٹلنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔پوسی رات بھر درخت پر بیٹھی رہی۔بھوُک پیاس سے اُس کا بُرا حال ہوگیا۔رات کے آخری پہر میں اُدھر نہ جانے کہاں سے ایک اژدہا آنکلا۔اُس نے تھیلے کو سوُنگھ سانگھ کر پتہ لگا لیا کہ اِس میں بلّی تھی۔پھر اُس نے درخت کی طرف دیکھا تو پوسی پر نظر پڑی۔اژدہا درخت کے تنے سے لپٹ کر اوُپر چڑھنے لگا۔اب تو پوسی بُری طرح گھبرائی۔ آگے کنواں پیچھے کھائی۔جائے تو کہاں جائے۔اژدہا اُس کی طرف بڑھتا چلا آرہا تھا۔

اب صبح کا اُجالا ہونے کو تھا،اِتنے میں وہی بگھّی اُسے واپس آتی ہوئی دِکھائی دی جو اُسے جنگل میں چھوڑ کر گئی تھی۔پوسی والی شاخ پکڑ کر اژدہا بالکل قریب آپہنچا تھا۔پوسی تیاّر ہوکر بڑے زور سے اُچھلی اور اژدہے کے سر پر سے ہوکر اُس کی پیٹھ پر آرہی۔وہاں سے جھٹ درخت کے تنے پر چھلانگ لگا دی پھر وہاں سے جو کوُدی تو سیدھی بگھّی کی چھت پر جا

اُتری۔سارے جانور دَوڑ کر اُس کی طرف لپکے لیکن بگھّی والوں نے کلہاڑی دِکھا کر اُنھیں بھگا دِیا۔بگھّی کی چھت پر بیٹھے بیٹھے پوسی اپنے گاؤں واپس آگئی۔واپس آنے کے بعد پوسی بالکل بدل گئی۔اب اُس نے بستی والوں کو ستانا چھوڑ دِیا تھا اور ادب سے رہنے لگی تھی۔

معمّہ : بچّے اور کھلونے

سگومر کے کچھ بچّے تھے۔سگومر نے کھلونوں کی دُکان پر سے اپنے ہر بچّے کے لئے ایک ایک کھلونا خرید لیا جو یکساں قیمت کے تھے۔

وہ کھلونے لے کر اپنے گھر پہنچا۔اُس کی بیوی کہنے لگی کہ ہمارا بڑا لڑکا اب کھلونا تھوڑے ہی کھیلے گا،ایک کھلونا واپس کر آؤ۔سگومر کھلونا واپس کرنے کے لئے دُکان پر گیا۔ اُس نے وہ ایک کھلونا واپس کِیا اور دُکان دار سے بولا:

’’ایک کھلونے کی قیمت کم کر کے اُدھار کی ڈائری میں لکھ لو۔‘‘

اب جو دُکان دار نے ڈائری میں لکھی ہوئی رقم تبدیل کر کے لکھنی چاہی تو دیکھا کہ ایک کھلونے کی قیمت کم کر کے جو رقم لکھی جانے والی تھی وہ پہلے سے ڈائری میں لکھ رکھی ہے۔

دراَصل اُس نے پہلی مرتبہ جو رقم لکھی تھی اُس میں غلطی سے اِکائی کا ہندسہ دَہائی میں اور دَہائی کا ہندسہ اکائی میں لکھ لیا تھا۔

اَب آپ یہ بتائیں کہ سگومر کے کتنے بچّے تھے،ایک کھلونے کی قیمت کیا تھی۔اور دُکان دار نے کون سی رقم پلٹ کر لکھ لی تھی؟

(معمّوں کے جواب کتاب کے آخر میں)

www.urduchannel.in

شرارت کی پھلی

ہمارے یہاں پہلے ہماری امّی کہانیاں سُنایا کرتی تھیں لیکن اِدھر کچھ دِنوں سے کہانیوں پر امّی کا بس نہیں چلتا۔ اِس لئے ہماری بھابھی نے کہانی کا سِنگھاسن سنبھال لیا۔ اور سچ پوٗچھو تو بھابھی سے کہانی سُننے کا لُطف ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ بھابھی ہونے کے ناطے کہانی کے دَوران کچھ چُٹکلے اور کچھ چٹکیاں بھی ہوتی رہتی ہیں۔

آج کی کہانی شروٗع ہونے کو تھی۔ مونی، روبو، سوفر، لمسہ اور میَں، ہمارے ساتھ اَڑوس پڑوس کے کچھ بچّے بھی تھے، بس بچّوں نے آپس میں کچھ کانا پھوٗسی کی، اُس کے بعد آنکھیں مٹکائیں اور پھر سوفر نے ٹھُنکی ماری، ٹھُنکی کھا کر لمسہ نے بھابھی پر ایک سوال داغ دِیا:

’’بھابھی جی! پہلے آپ ہمیں یہ بتایئے: بھیّا کبھی کبھی آپ کو ’پھلّی‘ کہہ کر کیوٗں پُکارتے ہیں؟‘‘ اِس پر بھابھی نے لمسہ کو گھوٗر کر دیکھا اور کہنے لگیں:

’’تم لوگ کہانی سُننے آئے ہو نا! پھر اِدھر اُدھر کیوٗں بہک رہے ہو؛ سیدھے سے کہانی کیوٗں نہیں سُنتے؟ ایں!‘‘

’’اچھّا بھابھی، چلیے! آپ سیدھے سے کہانی سُنایئے۔ یہ پھلّی وَلّی بعد میں دیکھتے ہیں۔‘‘ روبو نے بھابھی کو چِڑایا لیکن بھابھی نے جواب دینے کی بجائے کہانی شروٗع کر دی:

’ایک دیہات میں بچّوں کا ایک اسکوٗل تھا۔ اُس اسکوٗل میں پڑھانے کے لئے صِرف دو ماسٹر تھے۔ دیہات کے لوگ ماسٹروں کو ’جناب‘ کہہ کر پُکارتے تھے۔ تو یہ دونوں جناب جو وہاں ماسٹر بن کر نئے نئے آئے تھے، اُنھوں نے اُس گاؤں میں کِرائے کا مکان لے لیا تھا اور ایک ساتھ رہتے تھے۔ اُن میں سے ایک کا نام ’ساتھی جناب‘ اور ایک کا نام

’شریر جناب‘ تھا....

’’ہائیں بھابھی! یہ کیا بات ہوئی۔ یوٗں کہ ساتھی تو کسی کا نام ہوسکتا ہے، البتّہ یہ شریر کیسا نام ہے؟‘‘

لیکن سوفر کے اِس سوال سے بھابھی کے کان پر جوٗں نہ رینگی اور اُنھوں نے کہانی آگے بڑھا دی:

’ہاں تو جو شریر جناب تھے، وہ اپنے اسکوٗل کے بچّوں کو تو شرارت بھری کہانیاں سُناتے ہی تھے مگر وہ خود بھی بڑے شریر تھے۔ گاؤں کے لوگ بے چارے سیدھے سادے تھے۔ وہ شریر میاں کی شرارت کا شِکار تو ہو جاتے تھے لیکن وہ یہ نہیں سمجھ پاتے تھے کہ اِس شرارت کے پیچھے شریر جناب کا ہاتھ ہے۔ شریر جناب کی ایسی ہی ایک شرارت کا واقعہ سُنو!

ایک دفعہ ایسا ہُوا کہ ماسٹروں کی تنخواہ نہیں ہوئی تھی جس کی وجہ سے دونوں ماسٹر تنگ حال تھے؛ اُن کے پاس خرچ کو پیَسے نہیں تھے۔ ایسے میں شریر جناب کے گھر سے اُن کی امّی کا سندیسہ آیا کہ ’اگلے اتوار کو میَں تمھارے یہاں آرہی ہوٗں۔‘

تنگ دستی کے دَور میں ایسا سندیسہ پا کر ساتھی جناب کے تو چھکّے چھوٗٹ گئے۔

’’اے شریر بھیّا! تمھاری امّی آنے والی ہیں۔ ہمارے تو خود کھانے کے لالے ہیں؛ اُن کا اِنتظام کیوٗں کر ہوگا، کچھ سوچو یار!‘‘

’’بس اِتنے پر چیں بول گئے۔ ابھی تو میَں نے تمھیں یہ بتلایا ہی نہیں کہ میری امّی جب کہیں جاتی ہیں تو تین چار کو ساتھ لے کر جاتی ہیں۔‘‘

’’ارے باپ رے، پھر تو بُرے پھنسے۔‘‘ ساتھی جناب سَر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

اگلا اتوار آیا۔ وعدے کے مطابق شریر جناب کی امّی اپنی تین سہیلیوں کے

www.urduchannel.in

ساتھ آدھمکیں۔ ساتھی جناب کے تو ہوش اُڑ گئے، اُس پر شریر میاں کا اِطمینان دیکھ دیکھ کر وہ اَور بھی کُڑھے جارہے تھے۔

لیکن اُس دِن خدا کا کرنا ایسا ہُوا کہ سامنے والے گھر سے اِن مہمانوں کی دعوت کا بُلانا آ گیا۔ ساتھی جناب کی جان میں جان آئی اور پھر اُسی گھر سے دونوں ماسٹروں کے لئے کھانا بھی آ گیا۔

شریر کی امّی سامنے والوں میں اِتنی گھل مِل گئیں کہ ذرا سی دیر میں اُس گھر کے لوگ اُنھیں اپنے سگے سائیں سمجھنے لگے۔ اُنھوں نے یہاں تک کہہ دِیا کہ 'جب تک آپ لوگ یہاں رہیں گے، کھانے پینے کا بندوبست ہمارے یہاں سے رہے گا۔'

وہاں سے اُٹھ کر شریر کی امّی اور اُن کی سکھیاں اِدھر آئیں... ماسٹروں کے گھر۔ وہ چاروں بی بیاں سفر سے تھکی ہوئی تھیں۔ یہاں آ کر اُنھوں نے لمبی تان دی۔ جب یہ لوگ سو گئے تو ساتھی جناب نے سکوُن کی سانس لی اور شریر جناب سے کہنے لگے:

''چلو بھئی، سامنے والوں کی مہربانی سے اِتنا تو ہُوا کہ عِزّت ڈھک گئی۔ ہماری

قِسمت اچھّی تھی'... شریر میاں نے بات کاٹ کر دھیرے سے کہا:

'' ارے میرے بھولے ساتھی، قسمت اچھی تھی نہیں بلکہ قسمت اچھی بنانی پڑ گئی۔ اس کے لئے مجھے کچھ پاپڑ بیلنے پڑے، اَب مَیں تمھیں کیا بتاؤں! ''

قِسمت اچھّی بنانے کی بات سُن کر ساتھی جناب چونک کر سیدھے بیٹھ گئے۔

'' جیسے ہی ہمیں یہ سندیسہ مِلا کہ ' امّی اتوار کو آنے والی ہیں' ویسے ہی مَیں نے سامنے والے گھر کے پتے پر جھوٹ موٹ کا ایک خط لکھ کر پوسٹ کر دِیا کہ اتوار کے دِن ہم تمھارے یہاں لڑکی دیکھنے آ رہے ہیں۔' اُس خط کے نتیجے میں تم نے دیکھا... وہ لوگ آج صبح سے مہمان نوازی کی تیاری میں لگے رہے اور یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ سامنے کوئی پکوان پکے، اور وہ ہم تک نہ پہنچے... ایسا ہو نہیں سکتا۔''

'' ارے باپ رے باپ! یہ تو سَراسَر دھوکا ہے، شرارت ہے۔''

'' امے چھوڑو یار، وہ کوئی گرے پڑے لوگ تھوڑے ہی ہیں۔ خیر سے زمین دار ہیں۔ لڑکے والا کوئی آئے نہ آئے، ہماری مُراد تو بر آئی۔''

اِتنے میں شریر کی امّی نے تکیے سے سَر اُٹھایا اور یوُں کہنے لگیں:

''بیٹا، ابھی کہاں! تمھاری مُراد تو اَب بر آنے والی ہے۔''

امّی کے جاگتے رہنے پر دونوں ماسٹر سٹپٹا گئے کیوُں کہ شریر کے جھوُٹے خط کی قلعی کھل گئی تھی۔ شریر کی امّی اُٹھ کر بیٹھ گئیں اور پھر کہنے لگیں:

''بیٹا تمھارا خط مَیں نے پڑھا اور وہ جھوُٹا خط سچّا ثابت ہو گیا۔ لڑکے والے آئے بھی، اُنھوں نے سامنے والوں کی لڑکی دیکھی بھی اور اُسے پاس بھی کر دِیا ہے۔''

''مطلب کیا، امّی مَیں سمجھا نہیں، کون آئے یعنی کہ...'' شریر نے بوکھلا کر پوچھا

www.urduchannel.in

'' یعنی کہ میرے شریر بیٹے سُنو ! مَیں نے اور اِن لوگوں نے سامنے والوں کی لڑکی دیکھی ہے۔اُن کا گھر دوار دیکھا ہے۔اُن کا خاندانی رکھ رکھاؤ پرکھا ہے۔غرض ہم نے ساری باتوں کی چھان پھٹک کرلی ہے اوراُن کی پَری جیسی لڑکی کو تمھارے لئے پسند کرلیا ہے۔اور بہت پہلے سے وہ لڑکی میری نظر میں تھی،اب بولو !''

'' لیکن امّی ! مَیں نے تو صِرف جھوٹ موٹ کا خط ہی لکھا؛تم نے تو سچ مُچ میری قِسمت کا فیصلہ کرڈالا۔''

''ہاں،مَیں نے تو ہامی بھرلی ہے۔تمھاری قِسمت میں سامنے والوں کی وہی لڑکی لکھی ہے....تمھاری شرارت کا پھل،سمجھے!'' بھابھی نے 'پھل' کا لفظ بڑے ٹھسّے سے ادا کِیا۔بھابھی کی بات کاٹ کر اچانک روبو زور سے چلاّ کر اُٹھا:

'' آہا! اَب تو مَیں سمجھ گیا۔یہ کہانی کسی اور کی نہیں ہے۔ہماری اِنہی رَمزہ بھابھی اور مُراد بھیّا کی کہانی ہے۔یہ ہمارے مُراد بھیّا پہلے پہل جس دیہات میں ٹیچر تھے،رَمزہ بھابھی اُسی دیہات سے تو اُٹھ کر آئی ہیں۔'' پھر سوفر نے اِس پر ٹکڑا لگایا:

''تو گویا یہ کہ ماسٹر بھیّا کی شرارت بیٹھے بٹھائے اُن کے گلے کا ہار بن گئی،واہ!''

اُس کے بعد لمسہ بولنے لگی:

''اچھا تو اَب مَیں بھی کچھ کچھ سمجھی۔امّی نے بھابھی کو بھیّا کی شرارت کا پھل کہا تھا، بھیّا نے بھابھی کے لحاظ سے پھل کا مونث کر کے شرارت کی پھلّی بناڈالی۔اِسی لئے بھیّا رَمزہ بھابھی کو پھلّی پھلّی کہا کرتے ہیں، واہ بھئی واہ!''

'' کیا جی بھابھی، بھلا یہ بھی کوئی کہانی میں کہانی ہوئی! نہیں بھئی نہیں؛یہ تو کوئی کہانی نہیں ہے۔آپ ہمیں دوسری کہانی سُنایئے۔'' مونی نے پہلی مرتبہ بات میں دخل دِیا۔

جنّت کا بجوٗ کا

گُلبن سیٹھ کی لڑکی شانو' اسکوٗل پڑھتی تھی۔شانو' کو فنونِ لطیفہ سے بہت دِل چسپی تھی۔ایک روز اُس نے اپنی سہیلیوں کو اِکٹھّا کِیا اور اُن سہیلیوں کی مدد سے اپنے کمپاؤنڈ کے ایک حصّے میں جنّت کا ماڈل تیار کِیا۔درخت پودے،پھوٗل پھلوری،حویلی بنگلہ،جھوٗلا ہِنڈولا ،غرض جنّت کا ماڈل بنانے کے لئے جِتنی چیزیں دھیان میں آتی گئیں،اُس کے مُطابق کھلونوں کی دُکان سے جو کُچھ مِل سکتا تھا، اُس کی سہیلیاں وہ سب چیزیں لاتی گئیں اور اپنی خیالی جنّت سجاتی گئیں۔

پھر شانو' کو کیا سوٗجھی،کہنے لگی :' جنّت میں کھیت بھی بنائیں گے۔اِس سے اپنی نُمائش اور بھی جان دار ہوجائے گی۔'

بچّوں کا کیا ہے،اُن کے دِل میں جو سما جائے کم ہے؛اُنھوں نے جنّت میں کھیتی اُگانے کی بھی ٹھان لی۔زمین پر نرم نرم مٹّی بھُربھُرا کر اُس پر رنگ برنگ کے بُرادے چھِڑک دیے گئے۔پلاسٹک کی گھاس پھوٗس کی مدد سے کھیت میں فصل بھی لہلہانے لگی۔لیجیے صاحب!جنّت میں انوکھی قِسم کا ایک کھیت تیار ہوگیا۔

پھر شانو' سوچنے لگی کہ کھیت کی خالی جگہ کیسے پُر کی جائے۔اِس کے لئے پلاسٹک کے کھلونوں میں سے ہل بیل اور کسان چُن لیا گیا اور اُنھیں کام پر لگا دِیا گیا۔اُس کے ساتھ ہی ربر اور پلاسٹِک کے رنگ برنگے مویشیوں کا ایک ریوڑ بھی تیار کرلیا گیا؛ ریوڑ چَرانے کے لئے ربر کا ہی بنا ہوا ایک چَرواہا مقرر کردیا گیا۔

www.urduchannel.in

اُس کے بعد شانوٗ کو خیال آیا کہ کھیت کے لئے بجوٗ کا بھی ضروری ہے۔ بس اُس کی سہیلیاں دَوڑ کر پھر کھلونوں کی دُکان پر پہنچیں۔ دُکان دار نے جواب دے دیا کہ کھلونوں کی کمپنی نے ابھی بجوٗ کا نہیں بنایا ہے۔ دُکان پر سے وہ بچّیاں نامُراد واپس آئیں۔ پھر یہ طے پایا کہ آٹے اور سرکنڈے کی مدد سے بجوٗ کا بنالیں گے؛ ایک گُڈّے کا سَر توڑ کر سَرکنڈے کے اوپر رکھ دیں گے اور ننھّا سا وہ سوٗٹ اُسے پہنا دیں گے جو باجی نے سی کر رکھا ہے۔

شانوٗ کی سہیلیاں اب بجوٗ کا بنانے میں جُٹ گئیں۔ چھوٹا سا بجوٗ کا بنانے جاتی تھیں تو وہ بار بار ٹوٗٹ جاتا تھا اور اگر بڑا بناتی تھیں تو ایسا لگتا تھا جیسے کھیت میں دیو کھڑا ہوا ہے۔ شانوٗ بجوٗ کے کی دُرگت دیکھ دیکھ کر بور ہوگئی تھی۔ وہ وہاں سے ہٹ گئی اور ایک درخت کی چھاؤں میں جا کر لیٹ گئی، اُس کی آنکھ لگ گئی۔

اُس نے ایک خواب دیکھا۔ خواب میں اُس نے جنّت کا منظر دیکھا اور جنّت میں اُس نے بجوٗ کا کو دیکھا۔ وہ بجوٗ کا جو گُلبن سیٹھ کے کھیت میں رات دِن ایک جگہ کھڑا رہتا تھا؛ شانوٗ نے دیکھا کہ وہ تو بڑی بےفکری سے جنّت میں اِدھر اُدھر ٹہل رہا ہے۔ ڈیوٹی کی کوئی فکر نہیں ہے۔ وہ بجوٗ کا چلتے چلتے کبھی خوٗب چھوٹا سا ہو جاتا تھا اور کبھی خوٗب بڑا سا بن جاتا تھا۔

شانوٗ دَوڑ کر اُس کے پاس گئی اور اُس سے بولنے لگی کہ 'اُس کے نمائش والے کھیت میں کچھ مُدّت تک اُسے کھڑے رہنا ہوگا... ننھّا سا بجوٗ کا بن کر۔'

''کیوں شانوٗ! تمھارے کھیت کی رکھوالی کرنی ہے کیا؟ کیا چڑیاں وہاں ستانے آ گئیں؟''

''نہیں تو، وہاں چڑیوں کا گزر کہاں۔ بجوٗ کا چاچا! وہ تو صِرف ایک قِسم کی نمائش ہے۔''

''مَیں سمجھا نہیں! جب وہاں چڑیاں نہیں تو پھر میرا وہاں کیا کام؟''

''بجوٗ کا چاچا! رکھوالی اور چڑیوں کی کُچھ بات نہیں ہے۔ وہاں آپ کو چھوٹا سا بجوٗ کا بن کر صِرف ڈراما کرنا ہے، یعنی کہ نمائش کے وقت تک بجوٗ کا کی اداکاری، سمجھے آپ؟'

شانوٗ کی بات پر بجوٗ کا مُسکرا اُٹھّا پھر وہ شانوٗ سے بولنے لگا:

''شانوٗ بیٹی! نمائش، ڈراما، اداکاری... یہ سب اِنسانوں کا کام ہے؛ میرا کام نہیں ہے۔'' بجوٗ کا بڑی نرمی سے شانوٗ کو سمجھا رہا تھا۔

اِتنے میں شانوٗ کی آنکھ کھل گئی۔ وہ چونک کر اُٹھی اور اُٹھ کر اپنی جنّت کی طرف آئی۔ دیکھا کہ اُس کی سہیلیاں ابھی تک بجوٗ کا کی ہی اُدھیڑ بُن میں لگی ہوئی ہیں۔ شانوٗ نے کُچھ سوچا اور اپنی سہیلیوں سے بولنے لگی:

'' میرے خیال سے رہنے دو اُس کو؛ جانے دو۔ جنّت میں بجوٗ کا اپنی ڈیوٹی پر نہیں رہا تب بھی چل جائے گا۔''

www.urduchannel.in

ہاتھی کا وزن
(ایک معمّہ، ایک کہانی)

ایک وے برِج کا مالک اپنے لڑکے کو وزن کانٹے کا کام سنبھالنے کے لئے سویرے سویرے بھیج دیا کرتا تھا اور خود بعد میں آتا تھا۔ ایک دِن سویرے جب لڑکا کام پر آیا تو آس پاس سناٹا تھا۔ صرف ایک بکرا سڑک پر پھر رہا تھا۔ لڑکا بریڈ کھا رہا تھا۔ بریڈ کے لالچ میں بکرا وے برِج پر سے ہو کر لڑکے کے پاس آیا۔ لڑکے نے وزن کانٹے کے اِنڈیکیٹر میں دیکھا کہ بکرے کا وزن پچاس کلو ہے۔

اِس اِنڈیکیٹر پر دوسری مرتبہ کا وزن جمع کر کے بتانے کا خانہ تھا۔ بکرا بریڈ لے کر واپس سڑک پر آیا تو پچاس کلو وزن اَور جمع ہو کر اِنڈیکیٹر میں سو کلو بتانے لگا۔ اِس طرح بکرا وے برِج پر سے ہو کر آتا اور لڑکے سے بریڈ لے کر پھر سڑک پر واپس چلا جاتا۔ یوُں کرتے کرتے بکرا پانچ دفعہ لڑکے کے پاس وے برِج پر سے ہو کر آیا بھی اَور گیا بھی۔

اُس کے بعد ایک سادھو اپنا ہاتھی لے کر آیا اور لڑکے سے کہنے لگا کہ ہاتھی کا وزن کرنا ہے۔ تب تک ہاتھی دیکھنے کے لئے آس پاس سے بہت سے لوگ آ آ کر جمع ہو گئے اور اُنھوں نے سادھو کو باتوں میں بھڑا لیا۔

اُدھر لڑکے نے عجب کچھ سوچ لیا کہ 'ہاتھی تولنے سے وے برِج خراب نہ ہو جائے' حالاں کہ وہ خود گاڑیوں اور لاریوں کا وزن کر کے دِیا کرتا تھا۔ اب لڑکے کی اِتنی ہی سمجھ تھی، بہر حال اُس نے ہاتھی کا وزن نہیں کِیا۔

جب سادھو نے پلٹ کر یہ پوُچھا کہ 'ہاتھی کا وزن ہو گیا؟' تو لڑکے نے ہاں کہہ دِیا جبکہ انڈیکیٹر بکرے کے پانچ مرتبہ آنے جانے کا مجموعہ بتلا رہا تھا۔ تب پھر لڑکے کا باپ بھی آ گیا۔ سادھو نے لڑکے کے باپ سے کہا:

''ہاتھی کا وزن پھر سے کر کے دِکھاوٗ۔''

لڑکا سر پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا کہ اب پول کھُل جائے گا کیوُں کہ جو ہندسہ انڈیکیٹر میں موجود ہے، مَیں نے اُسے جھوُٹ موُٹ ہاتھی کا وزن بتلا دِیا ہے۔ اب اگر ہاتھی کا وزن ہوگا تو فرق پڑ ہی جائے گا۔

لیکن لڑکا اُس وقت حیرت میں پڑ گیا جب ہاتھی کا وزن کِیا گیا۔ ہاتھی کا وزن جمع ہو کر جو عدد اِنڈیکیٹر نے بتلایا، وہ پہلے موجود عدد کے دُگنا تھا۔ اِس طرح لڑکے کا جھوُٹ چھُپا کا چھُپا رہ گیا؛ وہ سادھو کی ڈانٹ اور باپ کی پھٹکار کھانے سے بچ گیا۔

اب آپ جلدی سے بتلا دیجیے کہ ہاتھی کا وزن کتنا تھا؟

(معمّوں کے جواب کتاب کے آخر میں)

www.urduchannel.in

خوُن پسینے کی روٹی

صفونہ کا لڑکا عنبر چوری کرتا تھا اور وہ اِتنا چالاک چور تھا کہ کبھی پکڑا نہیں گیا۔ صفونہ عنبر کو اچھّا اِنسان بنانا چاہتی تھی اور وہ اُسے چوری سے روکتی آئی تھی۔ چوری سے روکنے کے لئے کبھی کبھی وہ عنبر کو مارتی بھی رہی تھی۔

''بیٹا عنبر، اب تو' بڑا ہو گیا ہے۔ میَں نے تیری بہنوں کی شادی کر دی، وہ دونوں بے چاری اپنے اپنے ٹھکانے لگ گئیں۔ مجھے اب تیری فکر ہے۔ تو' اب یہ چوری کا دھندا چھوڑ دے تو میَں...''

''دیکھ ماں! تو' مجھے مت چڑایا کر۔ جب میَں جانتا ہوُں کہ محنت مزدوُری کر کے سال بھر میں جِتنا روپیہ مِلتا ہے، اُتنا میَں ایک ہاتھ مارتا ہوُں تو ہاتھ آ جاتا ہے، پھر میَں بے وقوُفوں کے جیسا بارہوں ماس محنت کیوُں کرتا پھروُں۔''

''دیکھ بیٹا، جب لوگ تجھے چور کہتے ہیں تو میرا دِل دُکھتا ہے۔''

''ماں، اپنا بھرا جرا گھر دیکھ کر لوگ جلتے ہیں اور تو' اپنے آپ کو دُکھی بتلا کر لوگوں کی خوشی کا سامان کرتی ہے۔ اِتنا سارا مال متاع پا کر تجھے تو خوش ہونا چاہیے تا کہ جلنے والے لوگ اور جلیں، جل جل مریں۔''

صفونہ بہت سمجھاتی تھی مگر عنبر مانتا نہیں تھا اور چوری سے باز نہیں آتا تھا۔ محنت مزدوُری کا لفظ تو اُس کی چِڑ بن گیا تھا۔

عنبر جب کبھی چوری کے لئے نکلتا تو رات گئے گھر واپس آتا تھا یا پھر سویرے مُنہ اندھیرے۔ وہ جب بھی آتا، اپنی ماں کو جاگتا ہوا پاتا۔

ایک دِن سویرے عنبر گھر آیا۔ اُس نے دیکھا کہ ماں کا پارہ چڑھا ہوا ہے۔ اُس نے تھوڑی دیر برداشت کِیا اور پھر آخر پوُچھ ہی لیا۔

''کیا ہوا ہے ماں؟ آج اِتنے غصّے میں کیوُں ہے؟''

''تیرے میرے بیچ آج ایک فیَصلہ کرنا ہے اور وہ فیَصلہ آج ہو کر رہنا ہے۔'' اُس کی ماں بہت سخت لہجے میں بولی۔

عنبر پہلے تو ڈر سا گیا۔ وہ ماں سے الگ رہنے کی بات سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اُسے شک ہوا کہ اُس کی ماں آج چوری پر فیَصلہ کروائے گی۔ یہ بات سوچ کر وہ دل ہی دل میں گھُل رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ چوری کے بارے میں تو ہرگز سمجھوتا نہیں کروُں گا اور محنت مزدوُری کا کام تو اپنے باپ سے نہیں ہونے والا'

پھر وہ اپنے باپ کے بارے میں سوچنے لگا؛

'میرا باپ اگر زِندہ ہوتا تو وہ بھی میرے لئے ایک مسئلہ ہی بن کر رہتا جیسے کہ میری ماں مجھے ہر دَم ٹوُنچتی رہتی ہے۔'

عنبر خاموش کھڑا رہا پھر توقّع کے خلاف اُس کی ماں کی نرم مگر روہانسی آواز سُنائی دی:

''بیٹا! میرا اَرمان ہے کہ گھر میں اب بہوُ لے آوَں۔ آنے والی دُلھن کے لئے 'مَہر' کی رقم کتنی ہو گی، دس پندرہ ہزار روپے سے زیادہ نہیں ہو گی۔ میَں ایسا چاہتی ہوُں کہ تیری دُلھن کی مَہر کی رقم تو' اپنی محنت کی کمائی سے جُٹا کر اِکٹھا کر۔ بس میَں جیتے جی اپنی بہوُ کا مُنہ دیکھ لوُں، اُس کے بعد اگر میَں مر بھی گئی تو مجھے پروا نہیں۔''

ماں کی بات سُن کر عنبر کی جان میں جان آئی اور وہ بڑی تیزی سے سوچنے لگا؛

'بس دس پندرہ ہزار روپے؟ میَں اگر چاہوُں تو اَبھی جاوَں اور دو گھنٹے میں کہیں

www.urduchannel.in

سے لے کر آ جاؤں لیکن ماں کا اَرمان دس پندرہ ہزار کا نہیں ہے۔ ایسے تو نہ جانے کتنے دس پندرہ ہزار گھر میں پڑے ہوئے ہیں۔ ماں دُلھن کی مَہر حلال کمائی سے چاہتی ہے۔ میرے خیال سے میری ماں کچھ غلط بھی نہیں چاہتی‘... عنبر کچھ سوچ میں ڈوب گیا اور پھر بولا:

’’ٹھیک ہے ماں! مَہر کی رقم مَیں محنت مزدوٗری کر کے اِکٹھا کروٗں گا۔‘‘

’’لیکن بیٹا! اِس میں میرے ساتھ دَغا بازی نہیں...‘‘

’’نہیں، مَیں دَغا بازی نہیں کروٗں گا، ایمان داری سے محنت کروٗں گا۔‘‘

دوٗسرے دِن شام ڈھلے عنبر سیدھا بھولن سیٹھ کی لکڑی کی بکھار پر پہنچا، تا کہ اگلے دِن سے مزدوٗری کی بات کرے۔ بھولن سیٹھ کو مزدوٗر کی ضروٗرت تھی لیکن عنبر نے ایک شرط رکھ دی۔ وہ یہ کہ ’مَیں دوٗسرے مزدوٗروں کی سی مزدوٗری نہیں لوٗں گا بلکہ جتنی لکڑیاں چیروٗں گا، اُن لکڑیوں کے وزن کے مطابق مزدوٗری لوٗں گا۔‘

بھولن سیٹھ نے کچھ سوچا اور پھر ایک مناسب شرح پر عنبر کو مزدوٗری پر رکھ لیا۔

دوٗسرے دِن عنبر جب کام پر آیا تو بھولن سیٹھ اور اُس کے مزدوٗر پھٹی پھٹی آنکھوں

سے عنبر کا کام دیکھ رہے تھے۔ عنبر کچھ اِس طرح لکڑیوں پر کلہاڑی چلاتا جاتا تھا جیسے وہ لکڑیوں کا دُشمن ہو، یا پھر جیسے لوگ ڈنڈے برسا برسا کر سانپ کو مارتے ہیں۔

شام ہوتے ہوتے عنبر نے چیری ہوئی لکڑیوں کا اَنبار لگا دِیا۔ اُس وقت بھولن سیٹھ کا سب سے پُرانا مزدوٗر ’سِلو ر‘ آگے بڑھا، اُس نے عنبر کے ہاتھوں کو پکڑ کر اَپنے سینے سے لگایا اور کہنے لگا:

’’بہت شان دار بیٹا! تم نے مجھے میرا پُرانا دَور یاد دِلا دِیا۔ کبھی مَیں بھی جوان ہُوا کرتا تھا اور تمھارے جیسا ہی کام کرتا تھا۔ آج تمھارا کام دیکھ کر میرا دو تولہ خوٗن بڑھ گیا ہے۔‘‘

سِلو ر ایک ایسا مزدوٗر تھا کہ بھولن سیٹھ اکثر اپنی بکھار کا لاکھوں کا کاروبار اُس کے بھروسے چھوڑ کر چلا جایا کرتا۔ جب کبھی بھولن سیٹھ کو سودے کے لئے جنگل بیابان کے سفر پر جانا ہوتا، اُس وقت سِلو ر بکھار کا مالک ہوتا تھا۔

عنبر نے دیکھا کہ ایسے وقت میں سِلو ر اُس بکھار کو اَمانت سمجھ کر سنبھالتا ہے۔ لکڑیوں کی بِکری سے کبھی کبھی لاکھوں کا گلّہ جمع ہو جاتا ہے لیکن سِلو ر وہ سارے پیسے بھولن سیٹھ کے حوالے کر دیتا ہے۔

کام پر سے چھٹّی پا کر جب چلتے تو سِلو ر کا گھر راستے میں پڑتا تھا اِس لئے کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ سِلو ر عنبر کو اپنے گھر روک لیتا۔ چائے پانی کر کے اُسے رُخصت کرتا اور کبھی کبھی تو شام کا کھانا کھِلا کر ہی چھوڑتا۔

کچھ دِنوں میں صفونہ کی شرط پوٗری ہونے کو آئی یعنی بارہ ہزار روپے تک رقم جمع ہو گئی جو عنبر کی دُلھن کی مَہر کے لئے کافی تھی پھر بھی عنبر نے کام نہیں چھوڑا تھا۔

اِس دَوران عنبر ایک دفعہ پھر سِلو ر کے گھر مہمان ہوا۔ سِلو ر چاہتا تھا کہ عنبر اُس کے

www.urduchannel.in

یہاں سے کھانا کھا کر جائے۔اچانک سِلور کی نظر گھر کے ایک کونے پر پڑی جہاں بچّوں کی ایک چھوٹی سائیکل پڑی ہوئی تھی۔

''یہ سائیکل کہاں سے آئی؟''سِلور نے اپنی بیوی سے پوُچھا۔

''گُلما بولتا ہے کہ یہ سائیکل اُس نے خریدی ہے۔''

''گُلما!...''سِلور کی تیز آواز سے گھر گوُنج اُٹھا۔گُلما جو نو دس سال کا چھوکرا تھا دَوڑ کر آیا۔سِلور نے پھر اپنا وہی سوال دُہرایا:

''گُلما، یہ سائیکل کہاں سے آئی؟''

''ابّو!تم مجھے جو اُٹھان کے پیسے دیتے تھے نا، وہ سب پیسے میَں نے گلّے میں جمع کر کے رکھّے تھے۔جب ڈھیر سارے پیسے...''

سِلور سمجھ گیا کہ بیٹا جھوٹ بول رہا ہے۔بس پھر اُس نے آوَ دیکھا نہ تاوَ، گُلما کو گریبان سے پکڑ کر کھینچ لیا اور پھُسکارتی ہوئی آواز میں بولا:

''جھوٹ بولتا ہے، چوری سیکھ رہا ہے کم بخت، اَبھی اِس سائیکل کو لے کر جا اَور

جس کی سائیکل ہے اُسے دے کر آ۔ورنہ...سمجھ گیا نا...کیا کروں گا؟...''

''ابّو، معاف کر دو!میَں سائیکل دے کر آ جاؤں گا اور اب کبھی ایسا نہیں کروں گا؛

''اَبھی...''سِلور کی آنکھیں اَبھی بھی تنی ہوئی تھیں۔

گُلما سائیکل لے کر جانے لگا تو سِلور پھر بُری طرح پھُسکارا:

''اَور سُن!یاد رکھنا، جس کی سائیکل ہے، اُس کے آنگن میں چھوڑ کر آ جانا، سائیکل چھوڑ کر آتے وقت کوئی تجھے دیکھنے نہ پائے...یاد رہے گا؟''

''ہاں ابّو!یاد رہے گا، کوئی مجھے نہیں دیکھ پائے گا۔''

گُلما سائیکل لے کر چلا۔اَبھی وہ گلی کے نکّڑ پر جا کر پھرا ہی ہوگا کہ سِلور نے عنبر کو اپنے ساتھ آنے کا اِشارہ کِیا۔یہ دونوں چپکے سے گُلما کے پیچھے پیچھے چلے۔

گُلما سائیکل لے کر بگھارُو سیٹھ کی بلڈنگ کے دروازے پر پہنچا۔یہ اِدھر دروازے کے سامنے سائیکل رکھ رہا تھا اور بگھارُو سیٹھ سامنے سے دروازے کی طرف آ رہے تھے۔گُلما سائیکل چھوڑ کر بڑی تیزی سے بھاگ نکلا اور بہت دوُر جا کر دَم لیا۔بگھارُو سیٹھ نے ایک اُچٹتی ہوئی نظر سائیکل پر ڈالی پھر سڑک پر کھڑے ہوکر اوُپر کے منزلے پر آواز دی۔جب سیٹھ کے نوکر نے اوُپر سے جھانک کر دیکھا تو بگھارُو سیٹھ بولے:

''ارے او جھبّا!ڈمپی کی سائیکل تو یہاں پڑی ہوئی ہے۔نیچے آ، اِس کو اُٹھا کر اندر لے جا۔''

پھر بگھارُو سیٹھ بڑی لاپرواہی سے اپنی کار میں بیٹھے اور چلے گئے؛ اُن کے اَنداز سے ایسا لگتا تھا جیسے سیٹھ کے گھر کے لوگوں کو سائیکل چوری کی سُدھ بھی نہیں ہے۔

عنبر اور سِلور بھی وہاں سے واپس چلے تب سِلور کہنے لگا:

www.urduchannel.in

''اب مَیں اِطمینان سے کھانا کھاؤں گا اور سکوُن کی نیند سو سکوُں گا۔ اِسی کے لئے اِتنی دَوڑ بھاگ تھی...آج لوگ مجھ پر بھروسہ کرتے ہیں، مَیں نہیں چاہتا کہ لوگوں کا یہ بھروسہ ختم ہو جائے اور... مَیں نہیں چاہتا کہ سِلور کا بیٹا چور کہلائے۔''...

سِلور کی یہ بات عنبر کے دِل پر بجلی بن کر گری۔ پلک جھپکتے میں اُسے اپنا بچپن یاد آ گیا۔ بچپن میں اُس کی ماں اُسے اکثر مارتی تھی اور کہتی جاتی تھی:

....'' مَیں نہیں چاہتی کہ صفونہ کا بیٹا چور کہلائے۔''....

سِلور کھانا کھِلانے کے لئے عنبر کو پھر اپنے گھر لے جانا چاہتا تھا لیکن آج عنبر نے کھانے سے اِنکار کر دِیا؛ اُس نے کہہ دیا کہ

'میری ماں میرا اِنتظار کرتی ہے، مَیں اَب گھر جاؤں گا۔'

اپنے گھر پہنچ کر عنبر نے اپنی ماں کا ہاتھ تھام لیا اور کہنے لگا:

''ماں مَیں غلطی پر تھا، مَیں اب سمجھا کہ تو میری فکر میں کیوُں دُبلی ہوئی جاتی ہے، تو رات رات بھر کیوُں جاگتی رہتی ہے، دانہ تیرے اَنگ کیوُں نہیں لگتا ہے اَور تیرے جسم سے خوُن کیوُں کم ہوتا چلا جا رہا ہے۔''

پھر عنبر تھوڑا سا رُک کر خود ہی بولنے لگا:

''مجھے معاف کر دے ماں! تیرا بیٹا عنبر اَب کبھی چوری نہیں کرے گا، محنت مزدوُری کرے گا۔ خود بھی خوُن پسینے کی روٹی کھائے گا اور تجھے بھی کھِلائے گا۔''

صفونہ نے اپنے بیٹے کی آنکھوں میں ایمان داری کی چمک دیکھی۔ اُس نے بیٹے کے سینے پر سَر رکھ دِیا۔ آج اُسے کچھ کہنے کی ضروُرت نہیں تھی۔

دیو اَور غبّارے

وہ دیو جن کا قصّہ پُرانی کتابوں میں مِلتا ہے، اُن میں ایک دیو کا بچّہ بچ گیا تھا اَور وہ چھُپتا چھُپاتا پھرتا تھا، جنگل اور پہاڑوں میں بسیرا کرتا تھا۔ جنگل میں رہتے رہتے اب وہ بستی میں بھی آنے جانے لگا تھا۔ بستی کے لوگ رات میں دیو کے ڈر سے گھر بند کر کے سو جایا کرتے اور دیو اُن کے جانور اُٹھا لے جاتا اور کھا جاتا جس کی وجہ سے بستی کے لوگ بہت پریشان رہا کرتے تھے۔

بستی میں ژَرفر نام کا ایک لڑکا تھا۔ ایک مرتبہ وہ اپنے اُستاد سے مِلنے پردیس گیا۔ جب وہاں سے واپس ہوا اَور اپنے گاؤں کی طرف آنے لگا تو دریا کے کنارے دیو نے اُسے آ گھیرا۔ ژَرفر گھبرا تو گیا تھا مگر اُس نے اپنا ڈر اَپنے دِل میں چھپائے رکھا اور کڑک آواز میں دیو سے بولنے لگا:

''تو' مجھے گھر جانے دے۔ اس کے بدلے میں مَیں تجھے ڈھیر سارے گُلگلے لا کر دوُں گا، میرے وزن کے برابر گُلگلے۔''

''مجھے گلگلے نہیں چاہئیں۔ مَیں تجھے چھوڑ دوُں گا۔ اس کے بدلے تو' مجھے دریا میں تیرنا سِکھا دے۔ پھر مَیں دریا پار کر کے جہاں چاہوُں گا، وہاں جاؤں گا۔''

ژَرفر سوچنے لگا' دیو کو تیرنا سِکھانا مشکل کام ہے۔ اُس نے کچھ سوچ کر جواب دِیا:

''تیرنے کی کیا ضروُرت ہے، تو' اُس پُل پر سے دریا پار کر سکتا ہے۔ مَیں اُسی پُل پر سے ہو کر آیا ہوُں۔ بول تو ایک مرتبہ پھر پُل پر چل کر بتلا دوُں؟''

www.urduchannel.in

’’آئیں، کیا مطلب؟ یعنی کہ تو‘ اِتنا سا چھوکرا مجھ جیسے دیو کو اُلّو بناتا ہے! میَں پُل پر چلوُں گا تو پُل ٹوُٹ جائے گا اور میَں دریا میں ڈوُب کر مر جاؤں گا۔ اِتنا تو مجھ کو سمجھتا ہے۔ تیرے اور میرے وزن میں بہت فرق ہے...سمجھے؟‘‘

’’ہاں سمجھا، عقل میں بھی فرق ہے۔ پھر ایسا کر، ایک دو دِن ذرا رُک جا۔ میَں تیرے لئے دریا پار کرنے کا اِنتظام کر دوُں گا لیکن اِنتظام کے لئے مجھے بستی میں جانا ہوگا۔‘‘

found.

...اَب ژَرفر کی ہمّت بندھ گئی تھی۔

’’نہیں نہیں، یہ سب بھاگنے کا چکّر ہے۔ تو‘ بھاگ جائے گا اور پھر واپس لوٹ کر نہیں آئے گا‘‘...دیو نے آنکھیں نکالیں۔

’’ارے نہیں! میَں بستی میں جاؤں گا، تیرے لئے دریا پار کرنے کا سامان کروُں گا اور پھر پرسوں سویرے واپس آؤں گا۔ واپس آنے کا وعدہ... پکّا وعدہ، خدا قسم۔‘‘

ژرفر نے کلمے کی اُنگلی گردن پر رگڑ کر بتائی۔ دیو نے اُس سے واپس آنے کا وعدہ لے لیا اور اُسے جانے دِیا۔

تیسرے دِن سویرے ژرفر ساز و سامان کے ساتھ دریا پر جا پہنچا۔ کچھ دیر میں دیو بھی وہاں آیا۔ لڑکے کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا۔ ژرفر جاڑے رَبر کے بڑے بڑے غبّارے لے کر گیا تھا جن میں ہَوا بھری ہوئی تھی۔ اُس نے دیو کے دونوں بازوؤں میں دو غبّارے باندھ دیے اور دو غبّارے پیروں میں۔ پھر ایک بڑا سا غبّارہ گردن میں پہنا دِیا۔ اُس کے بعد ایک غبّارہ اُس نے اپنے بازوؤں سے باندھ کر اپنی گردن کے پاس پھنسا لیا۔

’’اب ہم دونوں دھیرے دھیرے دریا میں اُترتے ہیں۔‘‘ ژرفر نے دیو سے کہا۔

لڑکے کو جب پانی میں تیرتا دیکھا تو دیو بھی پانی میں اُترا اور وہ بالکل نہیں ڈوُبا۔ تب تو اُسے بڑا مزہ آیا۔ وہ دھیرے دھیرے ہاتھ مار مار کر آگے بڑھتا رہا۔ لیکن جب وہ منجدھار میں پہنچا تو غوطہ کھانے لگا۔ اُس کے غبّارے کی ہَوا کم ہوتی جا رہی تھی اور وہ پانی میں ڈوُبتا جا رہا تھا۔ وہ لڑکے کو آواز دینے لگا۔ لڑکا اپنے غبّارے کے ساتھ برابر تیرتا جاتا تھا۔

دراَصل ژرفر نے دیو کو غبّارہ پہناتے وقت ایک شرارت کی تھی۔ اُس نے دیو کے غبّاروں میں سوئی چُبھو کر باریک پنکچر کر دِیے تھے مگر اَپنا غبّارہ صحیح سلامت رہنے دِیا تھا؛ اِس طرح دیو کے غبّاروں کی ہَوا نکلتی گئی اور وہ غبّارے مُرجھا گئے۔ دیو دَریا میں ڈوُب کر مر گیا اور بستی والوں کو دیو کی مصیبت سے نجات ملی۔

معمّہ : گیند کا سفر

فو گا 'ڈولفن اسکول' میں پڑھتا تھا۔ اُس کے گھر آج مہمان آنے والے تھے اِس لئے آج وہ کھیل کے پیریڈ میں شریک نہیں ہوا اور اپنے کلاس ٹیچر سے اِجازت لے کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

اُس کا اسکول ندی کے کنارے واقع تھا۔ ابھی وہ سائیکل سے ندی کا پُل پار کر رہا تھا کہ سائیکل کی پانجری سے فُٹ بال کی گیند اُچھل پڑی اور ندی کے پانی میں جا گری لیکن فو گا پُل پار کر کے گھر کی طرف چلا؛ اُس نے نہ سائیکل روکی اور نہ گیند ندی سے نکالی۔

فو گا گھر پہنچا لیکن ابھی سائیکل سے اُترا بھی نہیں تھا کہ اُس کی امّی نے پیسے تھما دِیے اور بولی: ''جلدی جا اور مچھیروں کی بستی میں سے مچھلی لے کر آ جا۔ تیری خالہ وغیرہ آ چکے ہیں، مچھلی پکے گی۔''

تب فو گا نے فوراً سائیکل دَوڑا دی اور مچھیروں کی بستی کی طرف روانہ ہو گیا۔ مچھیروں کی بستی (سائیکل سے) ایک گھنٹے کے فاصلے پر تھی۔ وہاں سے مچھلی لے کر گھر واپس آیا تو رات ہو چلی تھی۔ اُس کے خالہ زاد بھائی بہن ندی کے تَٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ وہی ندی تھی جو فو گا کے اسکول سے بہہ کر آتی تھی۔

مہمان بچّوں کے درمیان قصّے کہانیوں کا سِلسلہ جاری تھا۔ گھر میں مچھلی دے کر فو گا بھی اُن میں جا بیٹھا کیوں کہ ابھی کھانا تیار ہونے میں وقت لگنے والا تھا۔

اپنے مہمانوں کے ساتھ وہ ایک گھنٹہ بیٹھا رہا تھا کہ مہمانوں میں سے کسی نے کہا:

''ندی میں گیند بہہ کر آ رہی ہے۔''

یہ وہی گیند تھی جو فو گا کی سائیکل سے گری تھی۔ اپنی گیند دیکھ کر فو گا خوشی سے اُچھل پڑا۔ وہ ندی کے پتّھروں پر سے ہو کر دَوڑ گیا اور گیند نکال کر لے آیا۔ اُس وقت رات کے آٹھ بج چکے تھے۔

فو گا کے سائیکل چلانے کی رفتار ندی کے پانی کی رفتار کے چار گُنا ہے۔ اور فو گا کا گھر ڈولفن اسکول اور مچھیروں کی بستی کے عین بیچ میں واقع ہے۔ اب آپ یہ بتایئے...

'سائیکل پر سے گیند ندی میں کتنے بجے گری تھی؟'

(معمّوں کے جواب کتاب کے آخر میں)

www.urduchannel.in

موبائل فون کا چمتکار

دَرپن جھیل جو کہ پہاڑی کے دامن میں واقع تھی، اُس جھیل کے آس پاس کا علاقہ طیران باغ کہلاتا تھا۔طیران باغ رنگ برنگ پھوُلوں، پودوں اور درختوں سے بھرا ہُوا تھا۔اِس کے علاوہ وہاں بے شمار چرِند وپرِند بھی آباد تھے جس کی وجہ سے ہزاروں لوگ سیَر کے لئے یہاں آیا کرتے تھے۔لوگ یہاں کے قدرتی مناظر دیکھ کر دِل بہلاتے، جانوروں کی اُچھل کوُد دیکھتے اور خوش ہوتے، پرِندوں کے نغمے سُنتے اور اُن پر سَر دھُنتے تھے۔

یہ سلسِلہ ایک زمانے سے چلا آرہا تھا لیکن اِدھر کچھ دِنوں سے طیران باغ کا رنگ کچھ بدلا بدلا سا تھا جس پر باغ کے پرِندے فکر مند تھے اور آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔

بُلبُل نے بڑی اَدا سے اپنی کلغی مٹکائی اور ہُد ہُد سے بولنے لگی:

''تم دیکھ رہے ہو نا ہُد ہُد بھیّا! جب سے یہ موبائل فون نکلا ہے، اِنسان کی توجّہ

ہماری طرف کم ہوگئی ہے۔''

''توجّہ کم ہوگئی ہے؟''.....غلط بات ہے بہن! یوُں کہو کہ ہماری طرف توجّہ بالکل نہیں رہ گئی ہے۔ہماری ناز واَدا، ہماری خوش نمائی، اِن باتوں کی کوئی قدر نہیں رہی۔'' اِتنا کہہ کر ہُد ہُد نے اپنے تاج کو جھٹکا دِیا اور مور نے اِس بات پر ہُد ہُد کی حامی یوُں بھری:

''میَں بھی یہی بات کہنے والا تھا۔اب دیکھو، ساری دُنیا میں اِس بات کا چرچا ہے کہ مور جیسا خوُب صوُرت پرِندہ شاید ہی کوئی ہو...''

''اَے ہائے رے تمھارے شاید کی'' ہنَس نے مور کی بات کاٹ دی، اُسے مور کی بات نہیں بھائی۔ہنَس چھٹک کر سامنے آیا اور اپنی ہانکنے لگا:

''ہم کیا کسی سے کم خوُب صوُرت ہیں، شاہی محل کے حوض اور تالاب ہمارے دَم قدم سے آراستہ ہوتے ہیں.....''

ہنَس نے اِتنا ہی کہا تھا کہ درپن جھیل کی بہت سی رنگ برنگ مچھلیاں اوُپر اُچھل کر آئیں اور ہنَس سے کہنے لگیں:

'' ایسا ہے تو پھر ہم کہاں گئیں؟ کیا کوئی جھیل اور تالاب ہمارے بغیر آراستہ ہو سکتے ہیں؟''

''ہاں ہاں، کیوُں نہیں!'' اب طوطا ساری باتوں کا جواب دے رہا تھا:

''بھئی ہم تو سب طرح کی خوُب صوُرتی کی بات کر رہے تھے...کیا سوُرج چاند سِتارے، کیا حیوان و مُرغ و ماہی...کائنات کی سبھی چیزیں خوُب صوُرتی میں ایک سے بڑھ کر ایک ہیں... ہم تو یہ کہہ رہے تھے کہ ذرا باغ کے کونے کونے پر نظر ڈالو اور اِنسانوں کا پاگل پن دیکھو؛ کیا بچّے کیا بوُڑھے، سب کے سب موبائل فون میں مَست ہیں۔پھوُل پودے، درخت، پرِندے

www.urduchannel.in

، جانور... اِن چیزوں کی اَصل خوٗب صوٗرتی اِنسانوں کے نزدیک کوئی چیز نہیں رہ گئی ہے، ہاں موبائل پر دِکھائی جانے والی تصویریں ان کے لئے بہت کچھ ہوگئیں...''

''اے مولا! یہ موبائل فون کیا کروا کر رہے گا۔'' چڑیا بیچ میں بول اُٹھی۔

''یہ قیامت بَرپا کروا کر رہے گا اور کیا کروائے گا۔'' مَینا نے چیخ چیخ کر کوسنا شروٗع کِیا۔''... مَیں تو کہتی ہوٗں... ابھی قیامت آجائے، زمین پھٹ پڑے آسمان گر پڑے اور سب دفن ہوجائیں اُس میں۔ بس اب نعمتوں کی ناقدری دیکھی نہیں جاتی۔ یہ موبائل کے اُلّو

... اُلّو کے پٹھّے کیا نہ کروالیں، ہائے ربّا خیر!''

''ہائیں کیا کہا، اُلّو کے پٹھّے؟ مَیں بڑی دیر سے تم سبھوں کی باتیں سُن رہا ہوٗں اور برداشت کر رہا ہوٗں۔'' اُلّو نے دیدے نچائے اور بولنا شروٗع کِیا: ''مَیں اب سو سُنار کی، ایک لوہار کی کہتا ہوٗں... اگر سارے کے سارے اِنسان بھی موبائل فون میں مَست ہو جاتے ہیں تو اِس سے کون سا پہاڑ ٹوٗٹ پڑتا ہے...''

اب کوّے نے بیچ میں مُنہ کھولا اور اُلّو سے بولا:

''اَے اُلّو بھائی! اِسی لئے تو لوگ تمھیں اُلّو کہتے ہیں اور آج کے اِنسان کو 'اُلّو کا پٹھّا' کہا جاتا ہے۔ سُنو! پہلے زمانے کے اِنسان جب قدرتی چیزوں کو دیکھتے تھے... پانی کی موجوں، درخت کے پتّوں اور پرِندوں کے زمزمے سُنتے تھے اور اِن قدرتی نغموں پر سَر دھُنتے تھے تو وہ اِن چیزوں کے بنانے والے کی حمد وثنا بیان کرتے تھے۔ بندوں کی زبان پر اپنے مالِک کی شان میں سُبحان اللہ، ماشاء اللہ آجایا کرتا تھا۔ اِس سے اُن بندوں کے دَرجات بلند ہوتے تھے۔ لیکن اِس موبائل نے اِنسان کی عقل پر پَردہ ڈال دِیا ہے اور آج کا اِنسان خُدا کا شُکر گزار بندہ نہیں رہ گیا ہے۔ اب سمجھے؟ اُلّو کہیں کے!''

جس وقت پرِندوں میں یہ بحث ہو رہی تھی، اُس وقت طیران باغ میں کوئی خُدا کا بندہ تھا جس نے پرِندوں کی اِن تمام باتوں کو اپنے کیمرے میں قید کرلیا تھا اور اُسے نشر کرنے کے لئے مُلک کے نشریہ میں بھیج دِیا تھا۔

دوٗسرے دِن طیران باغ میں جتنے بھی بچّے، بوٗڑھے، جوان آئے ہوئے تھے، وہ سبھی اپنے اپنے موبائل اِسکرین پر ان پرِندوں کو دیکھ رہے تھے اور اُن کی گفتگو سُن رہے تھے اور آخر میں وہ تمام لوگ موبائل ایجاد کرنے والے کی شان میں قصیدے پڑھتے ہوئے نظر آئے

www.urduchannel.in

فرشتے کی سادگی

ایک فرشتے نے خدا سے یوُں ہی سوال پوُچھ لیا:

''اے پروردگار! تو' نے اِنسان کو تمام مخلوقات پر فوقیت دی ہے، یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔''... پروردگار کی طرف سے جواب مِلا:

''ٹھیک سوال ہے، تو پھر ایسا کرنا، اِنسانوں کی دُنیا میں جانا اور جب تک اِس سوال کا جواب نہیں مِل جاتا، واپس مت آنا۔''

فرشتے نے پوُچھا: ''میرے پروردگار! تو' ہی رہنمائی فرما! مَیں اِنسانوں کی دُنیا میں کہاں جاؤں۔''

جواب مِلا: '' دیکھ وہاں فلاں جگہ پر ایک مسئلے پر پنچائت بیٹھی ہوئی ہے۔ تو' جا کر اُس پنچائت کا توڑ کرنے کی کوشش کر کہ اِنصاف کس طرح ہو گا۔''

فرشتہ آسمان سے زمین پر اُتر آیا۔ اُس نے اِنسان کا روُپ دھار لیا اور اُس جگہ جا پہنچا جہاں پنچائت بیٹھی ہوئی تھی۔ اُس پنچائت میں ایک غریب آدمی نے ایک امیر شخص پر دعویٰ کر رکھا تھا۔ غریب آدمی پنچوں سے کہہ رہا تھا:

''میرے بزرگ پنچو! مہاجن صاحب نے میری بھینس کسی کے ہاتھ بیچ ڈالی ہے۔ وہ بھینس دوُدھ دیتی تھی۔ دوُدھ بیچ کر میرے گھر کا گزارا ہوتا آیا ہے اور اب میرے گھر کا خرچ پوُرا کرنے کے لئے میرے پاس کوئی دوُسرا سہارا نہیں ہے۔ مَیں ایک غریب آدمی ہوُں۔ آپ لوگ میری بھینس مجھے واپس دِلا دیجیے۔''

''آپ کیا کہتے ہیں مہاجن صاحب؟'' پنچوں نے مہاجن کی طرف رُخ کیا۔

''بھئی مَیں نے پہلے ہی سے کہہ رکھا ہے کہ بھینس میرے کھیت میں خود آئی تھی۔ میری عمل داری میں آئی ہوئی چیز میری ہوتی ہے۔ مَیں اُسے چاہے رکھوُں چاہے بیچوں۔ وہ میرا حق ہے؛ مَیں جو چاہے کروُں۔''

''بھئی سُن لیا نارے سمورا؟ بھینس اُن کی تھی، اُنھوں نے بیچی۔ بس اب تو قِصّہ ہی ختم ہو گیا، کیا کہتے ہو؟'' پنچوں کا جواب تھا، اِس پر سمورا غریب بولا:

''اِس طرح تو لوگوں کی بکریاں، مینڈھیاں میرے گھر میں بھی آتی جاتی رہتی ہیں، تو کیا مَیں اُنھیں اپنی ملکیت سمجھ لوُں اور اُنھیں بیچ کر پیسے بنا لوُں۔ بلکہ خود مہاجن صاحب کی بکری اکثر میرے گھر میں گھس آتی رہتی ہے۔ میرے بزرگ پنچ صاحبان، اِنصاف کی کہیے! کیا مَیں اپنے گھر میں آئے ہوئے جانوروں کا مالک ہو جاتا ہوُں؟ بولیے بھئی بولیے۔''

اِس سے پہلے کہ کوئی کچھ بولتا، مہاجن خود ہی بول اُٹھا:

''چھوٹا آدمی ہے اور بہت زیادہ لمبی زبان ہے...زبان کاٹ کر رکھ دوُں گا۔ خبردار! یاد رہے، اِس گاؤں میں ایسا حق صرف مجھ کو ہے؛ مَیں جس کی جو چیز چاہوُں، اپنے پاس رکھ

www.urduchannel.in

لوں اور چاہوں تو اُسے بیچ ڈالوں۔ کوئی میرے معاملے میں ٹانگ اَڑائے گا تو مَیں اُس کی ٹانگ توڑ کر رکھ دوں گا۔ کیا سمجھے!''

مہاجن کی بات سُن کر پنچوں کو تو سانپ سونگھ گیا لیکن سمورا رونے لگا اور رو رو کر بولا

''میرے بزرگ پنچو! میری بھینس میری روزی روٹی تھی، وہ مجھے واپس دِلا دیجیے، مَیں آپ لوگوں کو دُعائیں دوں گا۔ اور پھر بھینس کا بچّہ بھی اپنی ماں کے لئے تڑپ رہا ہے۔ اُسے اُس کی ماں مِل جائے گی۔''

اِس بات کو سُن کر پنچوں میں سے ایک اُچھل پڑا اور بولنے لگا:

''آئیں، کیا کہا؟ بھینس کا بچّہ اپنی ماں کے لئے تڑپ رہا ہے، یہ تو بڑی بُری بات ہے۔ اچھّا ہُوا جو یہ بات بتلا دی۔ میرے ساتھیو! بھینس کے بچّے کو تڑپانے سے اچھا ہے کہ اُسے بھینس کے پاس پہنچا دِیا جائے اور اِس مسئلے کو جڑ سے ہی ختم کر دِیا جائے۔''

اِس بات پر سمورا چونک اُٹھا اور تڑپ کر بولا:

''یعنی میری بھینس تو گئی ہی تھی، اب وہ بچّہ بھی چھین لیں گے آپ لوگ؟''

''دیکھا، کتنی لمبی زبان ہے؟ کہتا ہے، پنچ چھین لیں گے۔ اب تو پنچو! بھینس کا بچّہ چھین کر لے ہی لو، اور وہ بچّہ بھینس کو پہنچا کر ہی دَم لو؛ بھائیو! یہی اِنصاف کا تقاضا ہے۔''

اب فرشتے سے صبر نہیں ہو سکا۔ وہ ہتھّے سے اُکھڑ گیا اور بولا:

''کیسی باتیں کر رہے ہو میاں! یہ کون سا طریقہ ہے؟ بھینس کا بچّہ یہیں رہے گا اور جس کی بھینس ہے اُسے واپس مِلنی چاہیے، یہی اِنصاف کی بات ہے۔ اور تم لوگ جس طرح کی بات کر رہے ہو، وہ تو اَندھیر ہے، اِنصاف کی بات نہیں ہے۔ کیا سمجھے!''

فرشتہ بہت غصّے میں تھا۔

''ارے ارے ارے! تم کون ہو بھائی پرائے جھگڑے میں دخل دینے والے؟ اب اِس کے آگے کچھ کہو گے تو حال بُرا ہوگا۔ اگر تم پردیسی نہیں ہوتے تو اب تک پِٹ چکے ہوتے۔ ابھی اور اِسی وقت نکل جاؤ یہاں سے، یا پھر ہم سب اُٹھیں، تمھارے ہوش ٹھکانے لگا دیں؟''... پنچوں میں سے کئی لوگوں نے آستین چڑھا لی۔

کہنے والا ابھی اور بھی کچھ کہتا لیکن اس سے پہلے ہی لوگ فرشتے پر پِل پڑے۔

فرشتہ بھی ہاتھا پائی پر آمادہ ہو گیا تھا، اُس نے بھی جی بھر کر فسادیوں کے دَنگے کا جواب دِیا۔ یہاں تک کہ لوگ اُسے مارتے مارتے تنگ آ گئے البتّہ اِتنی سب مارکٹائی کے بعد بھی فرشتہ سمورا کی بھینس اُسے واپس نہیں دِلا سکا۔ اُس نے گاؤں والوں کے سامنے بے بسی محسوس کی

وہ گاؤں سے نکل کر دُور آ گیا جہاں مسافروں کی سرائے تھی۔ اب وہ فرشتے کے بھیس میں تھا اور اُسے کوئی نہیں دیکھ رہا تھا۔ دُوسرے دِن سویرے اُس نے دیکھا کہ...

'سمورا سرائے کے پاس سے گزر رہا ہے۔ اُس کے ساتھ اُس کے بیوی بچّے بھی ہیں اور اُنھوں نے بہت سا سرو سامان بھی لاد رکھا ہے۔ یہ لوگ کہیں جا رہے ہیں۔'

www.urduchannel.in

سمورا بستی سے کوسوں دُور جا نکلا اور پھر پہاڑی کے دامن میں ایک خوش نما جگہ پر اُس نے قیام کِیا جہاں پانی کا چشمہ بہہ رہا تھا اور آس پاس جنگلی پھلوں کے بہت سے درخت تھے۔فرشتہ سمجھ گیا کہ یہ لوگ بستی والوں سے ناراض ہوکر نکل آئے ہیں۔اب وہ کسی نئی جگہ بسنے کا اِرادہ رکھتے ہیں۔

فرشتہ سوچتا رہا کہ اِن غریبوں کو کس طرح اِنصاف مِلے گا، اِس مسئلے پر اُس نے بہت سر مارا مگر اُسے کوئی راستہ سُجھائی نہیں دِیا۔فرشتہ وہیں ٹھہرا رہا۔تھوڑی دیر بعد ایک مُسافر بے تحاشا دَوڑ کر آتا ہُوا دِکھائی دِیا جس کے ساتھ بہت سا ساز و سامان بھی تھا۔اُس نے آتے ہی غریب آدمی کو مدد کے لئے پکارا:

''مجھے کہیں چھُپنے کی جگہ بتا دو؛ ورنہ وہ لوگ مجھے لوٗٹ لیں گے، میرے قافلے کو تو لوٗٹ ہی چکے ہیں۔وہ ڈاکوٗ ہیں جو میرا پیچھا کر رہے ہیں۔''

غریب آدمی کے پہاڑی گھر میں پتھّر کی ایک کھوہ سی بنی ہوئی تھی۔اُس نے مُسافر کو اُس کھوہ میں بِٹھا دِیا، ایک گدڑی پانی کے چشمے میں بھگو کر اُس کھوہ کے مُنہ پر ڈال دی اور اُس کی بیوی کو باہر پتھّر پر کچھ پیسنے کے لئے بِٹھا دِیا۔اُس کے بعد خود ایک پتھریلی چٹان پر اُکڑوں بیٹھ گیا اور گھٹنے میں سر ڈال دِیا۔اِتنے میں چند گھوڑ سوار دَوڑے دَوڑے آئے اور اُنھوں نے مُسافر کے بارے میں سوال کِیا۔غریب سمورا نے گھٹنوں میں سے سر نکالا اور اُن کے سوال کا جواب دینا چھوڑا اور اُلٹے اُن سے اِلتجا کرنے لگا:

''میرے بھائیو! آپ لوگ کافی طاقت ور دِکھائی دیتے ہیں۔بستی کے مہاجن نے ہمارے ساتھ ظلم کِیا ہے؛ ہماری بھینس چھین لی ہے جو ہمارے گزارے کا ذریعہ تھی۔میَں ایک غریب آدمی ہوں۔آپ لوگ بستی میں چل کر اُسے ذرا ڈرا دھمکا دیں گے تو وہ میری

بھینس مجھے واپس کر دے گا۔اُس نے بھینس کا بچّہ بھی مجھ سے چھین لیا ہے۔''

ڈاکوٗ سمجھ گئے کہ 'وہ ساز و سامان والا مُسافر اِدھر سے نہیں گزرا ہے اور یہ شخص تو خود محتاج ہے، ہمیں اِس کے پاس سے کیا مِلے گا' اور پھر وہ لوگ آگے بڑھ گئے۔بعد میں وہ مُسافر گیلی گدڑی میں سے باہر نکلا اور سمورا کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

اُس نے سمورا کی بھینس کا حال اور گھر دوار کا حال اَحوال، پوٗرا دریافت کِیا۔پھر اُس مہاجن کے گھر دوار اور اُس کے بیوی بچّوں کا حال پوٗچھا اور آخر میں سمورا کو تسلّی دی:

''تم بالکل فکر مت کرو، میَں تمھاری بھینس تمھیں دِلا دوٗں گا۔مہاجن تو کیا، مہاجن کا باپ بھی تمھارا مال واپس کرے گا، سمجھے بھائی! اور وہ تمھیں ڈھوٗنڈ کر تمھارا اَثاثہ واپس کرنے آئے گا، اِطمینان رکھو۔''

مُسافر کی بات پر سمورا کو تو حیرت ہوئی مگر اُس سے زیادہ حیرت فرشتے کو ہوئی؛

'یہ اَنجانا آدمی سمورا کی بھینس کس طرح واپس دِلا سکے گا؛ مہاجن تو بڑا دھانسوٗ اور ہٹ دھرم آدمی ہے، ساری بستی پر دھونس جما رکھی ہے؛ ذرا دیکھوٗں تو یہ مُسافر کیا کرتا ہے۔'

پھر اُس مُسافر نے سمورا کے کان میں دھیرے دھیرے کچھ کہا۔وہ اُسے مہاجن سے بے رُخی برَتنے کی تلقین کر رہا تھا اور فرشتہ سب سُن رہا تھا۔

اب مُسافر نے اپنے پاس سے کھانے کا پوٹلا نکالا۔پھر سمورا کے بیوی بچّوں کے ساتھ مِل کر کھانا کھایا۔اُس نے ایک مرتبہ پھر بستی کا اَحوال پوٗچھا، مہاجن کا حال پوچھا اور پھر اُس بستی کی طرف رَوانہ ہُوا جہاں سے سمورا نکل کر آیا تھا۔کافی لمبے سفر کے بعد بستی کے آثار نظر آئے۔جب وہ بستی میں داخل ہُوا تو بے ایمان مہاجن کی لال گنبد والی حویلی دِکھائی دی۔اُسی حویلی کے سامنے والی گلی میں غریب سمورا رہا کرتا تھا۔چوٗں کہ اِس نے امیر اور

www.urduchannel.in

غریب دونوں کے بارے میں معلوٗمات لے رکھی تھیں ،اِس لئے گلی والوں سے پوٗچھے بغیر سیدھا سمورا کے گھر پر جا کر ٹھہرا جہاں گھر کا دروازہ بند مِلا۔

اب اُس نے خواہ مخواہ لوگوں سے غریب سَمورا کے بارے میں پوٗچھنا شروٗع کِیا۔

لوگوں نے اُلٹے اُس سے پوٗچھنا شروٗع کر دِیا کہ اُسے سمورا سے کیا کام ہے؟

تب یہ سوداگر آنکھوں میں نقلی آنسوٗ بھر لایا اور یوٗں ڈراما کرنا شروٗع کِیا:

''میَں سفر کی مصیبت اُٹھاتا ہُوا بڑی دوٗر سے آرہا ہوٗں اور یہاں تک پہنچا ہوٗں۔

میرا ایک لڑکا ہے جو نوجوان ہو گیا ہے لیکن وہ دِماغی طور پر اَپاہج ہے یعنی کہ نیم پاگل ہے...'

''...لیکن آپ کو اس آدمی سے کیا کام ہے جو بستی چھوڑ کر چلا گیا ہے؟''

''ارے بھئی ذرا صبر سے سنو، صبر نہیں ہے کیا؟ وہی تو بتلا رہا ہوٗں کہ یہاں جو آدمی رہتا ہے، وہ میرے لڑکے کا علاج جانتا ہے۔''...مُسافر جھلا اُٹھا اور تھوڑے غصّے سے بولا۔

مُسافر کی بات پر وہ لوگ چونک پڑے، اُنھوں نے مہاجن کی حویلی کی طرف دیکھا

''تمھیں یہ کس نے بتایا کہ سمورا پاگل پن کا علاج جانتا ہے؟''

''میرے خاندانی حکیم کو اِس بات کی بشارت ہوئی تھی کہ فلاں بستی میں فلاں شخص ہے، وہ ایسی جڑی بوٗٹیاں پہچانتا ہے جس سے پاگل پن کا علاج ہو سکتا ہے۔ اُس شخص میں یہ خداداد صلاحیت ہے۔ آپ اِس بستی کے لوگ ہیں، مجھے بتائیے کہ یہ شخص مجھے کہاں مِلے گا۔''

''یہ شخص اب تمھیں کہیں نہیں مِلے گا؛ وہ بستی چھوڑ کر نہ جانے کہاں چلا گیا ہے۔''

اِتنا کہتے ہوئے اُن میں سے چند لوگوں نے لال گنبد کی حویلی کی طرف قدم بڑھائے۔ سوداگر نے جب لوگوں کو مہاجن کی حویلی کی طرف جاتے دیکھا تو اِطمینان کی سانس لی کیوٗں کہ مہاجن کا ایک نوجوان لڑکا نیم پاگل تھا اور وہ اُس کے علاج کے لئے کافی پریشان ہو چکا تھا۔ اور حقیقت یہ تھی کہ سوداگر کا کوئی لڑکا پاگل واگل نہیں تھا، بستی والوں کے سامنے اُس کا یہ رونا دھونا سب ڈھونگ تھا۔ مہاجن کے پاگل لڑکے کی معلومات اُس نے سمورا سے لی تھی۔

سوداگر نے پھر پتلی گلی پکڑ لی اور واپس اُس ویرانے کی طرف چل دِیا جدھر سمورا نے بسیرا کر رکھا تھا۔ سمورا کے پاس پہنچ کر سوداگر نے پھر ہدایت دی:

'' بس اب جلد ہی وہ مہاجن تمھارے پاس آنے والا ہے۔ وہ آئے گا تو تم اُس کی طرف تاکنا مت، اُس سے کوئی بات چیت مت کرنا، اُس کے دِیے ہوئے پیسے کو ہاتھ مت لگانا۔ میَں بستی سے تمھارے لئے آٹا دال، گھی اور مرچ مسالہ سب لے کر آیا ہوٗں۔ پکاؤ کھاؤ اور مجھے بھی کھلاؤ۔''

مہاجن نے اپنے ہرکارے ہر سمت میں روانہ کر دِیے تا کہ وہ بھینس والے کی خبر لائیں۔ دوٗسرے دِن صبح فرشتے نے دیکھا کہ چند آدمی سچ مچ سمورا کے پاس آئے ہیں اور مہاجن کی طرف سے معافی مانگ رہے ہیں۔ وہ لوگ سمورا سے واپس بستی میں چلنے کی اِلتجا کر رہے ہیں لیکن سمورا نے اُن کی طرف سے بے رُخی برتی، اُس نے غار میں گھس کر گوڈڑی

www.urduchannel.in

اوڑھ لی اور سوتا بن گیا۔ جب وہ چند آدمی نامراد ہوکر واپس چلے گئے تو سوداگر سامنے آیا جو وہیں کہیں چھُپا ہُوا تھا۔ اُس نے سمورا کو خوُب شاباشی دی اور اُسے اب ٹھکانا بدل لینے کی صلاح دی۔ سمورا بھی یہی چاہتا تھا۔

پھر سمورا اپنے بیوی بچّوں کو لے کر سوداگر کے ساتھ آگے بڑھا اور وہ لوگ اُسی پہاڑی سلسلے کے اگلے حصّے میں پہنچے جہاں پھر ایک بڑا سا غار تھا جسے بغیر دروازے کا گھر کہا جاسکتا تھا۔ وہاں پہنچ کر اُنھوں نے قیام کِیا۔ شام ہونے سے پہلے پہلے کئی گھوڑ سوار وہاں آتے ہوئے دِکھائی دِیے جن میں وہ امیر شخص خود بھی تھا۔ وہ آکر سمورا سے کہنے لگا:

''میَں تم سے اپنی غلطیوں کی معافی چاہتا ہوُں۔ میَں تمھیں ایک بھینس کی بجائے ہزار بھینسوں کی قیمت دینے کو تیار ہوُں مگر تم میرے ساتھ بستی میں واپس چلو۔''

''میَں تم سے بات کرنا نہیں چاہتا۔ میَں اب بھینس کو بھوُل چکا ہوُں اور تم بھی یہ بات بھوُل جاؤ کہ میَں اب بستی میں واپس آؤں گا۔''

اِتنے میں سوداگر کہیں باہر سے آیا اور مہاجن سے کہنے لگا:

''ابھی تو یہ میرے کام سے میرے ساتھ جا رہے ہیں، یہ طے ہو چکا ہے۔ میرے کام سے فرصت پائیں گے، اُس وقت یہ واپس آ سکتے ہیں، اگر چاہیں۔''

''نہیں نہیں، میَں اب اُس بستی میں ہرگز واپس نہیں جاؤں گا... میری بھینس کے لئے بھی نہیں، کسی اور غرض سے بھی نہیں، ہرگز نہیں۔''

پھر مہاجن نے سمورا کو ہلانے ڈُلانے کی بہت کوشش کی لیکن سمورا ٹس سے مس نہیں ہُوا۔ مہاجن نے روپیوں کی ایک بڑی سی پوٹلی وہاں رکھ دی پھر اُس نے سوداگر کے کان میں دھیرے دھیرے کچھ کہا اور وہاں سے رَوانہ ہوگیا۔

مہاجن کے چلے جانے کے بعد سوداگر نے روپیوں کی پوٹلی سمورا کو تھمادی اور بولا:

''اِن روپیوں پر تمھارا حق ہے۔''... سمورا نے اُس پوٹلی میں سے بہت سا روپیہ سوداگر کو دے دِیا پھر وہ سبھی راتوں رات وہاں سے رَوانہ ہوگئے۔ سویرا ہوتے ہوتے یہ لوگ ایک دوُسری بستی میں پہنچے۔ وہاں بازار میں پہنچ کر سوداگر نے اپنے لئے ایک گھوڑا خریدا۔ چلتے چلتے اُس نے سمورا کو نصیحت کی:

''یہ دُنیا بڑی مکّار ہے؛ یہاں فرشتے کی سی سادگی سے کوئی کام نہیں بننے والا۔''

پھر وہ سمورا کو سلام کر کے چل دِیا۔ سمورا نے اپنے کنبے کے لئے ایک گھوڑا گاڑی خریدی، اپنے بیوی بچّوں کو گاڑی پر بِٹھایا اور ایک طرف رَوانہ ہوگیا۔ اب اُس کے پاس اِتنا روُپیہ تھا کہ وہ اپنے کنبے کے لئے روزگار کا کچھ اِنتظام کر سکے۔

فرشتہ اب واپس آسمان پر پہنچا اور خدا کی حِکمت کے گُن گانے لگا۔ وہ کہہ رہا تھا:

''اب مجھ پر یہ راز کھُلا کہ اِنسان کو دوُسری مخلوقات پر فوقیت کیوُں ہے۔''

www.urduchannel.in

معمّہ : گونگا بہرا دُکان دار

محلّے میں ایک غریب آدمی کی دُکان تھی جو بچّوں کے سامان فروخت کرتا تھا۔ محلّے کے سبھی لوگ اُس کی دُکان سے بچّوں کی ضرورت کی چیزیں خریدا کرتے تھے۔ اُس کی دُکان میں نوکر چاکر نہیں تھے، دُکان دار اکیلا ہی دُکان کا کاروبار سنبھالتا تھا۔ لیکن وہ گونگا اور بہرا تھا ، کچھ پڑھنا لکھنا نہیں جانتا تھا البتّہ وہ رقموں کا لین دین کرلیتا تھا۔

اس کے لئے اُس نے اپنے کاؤنٹر پر ایک بڑا سا دیوار گھڑی کا ماڈل رکھ چھوڑا تھا جیسی کسی مسجد کی بڑی سی گھڑی ہوتی ہے۔ اُس پر روایت کے مطابق ایک سے بارہ تک ہندسے تھے۔ اُس کے پاس ایک چھوٹا سا رَبر کا اونٹ تھا، رَبر کا ایک چھوٹا سا ہرن تھا اور رَبر کا ہی بنا ہوا ایک مُرغ بھی تھا۔

مُرغ 'ایک کی نوٹ' کی علامت کے طور پر تھا، ہرن 'دس کا نوٹ' بتلانے کے لئے، اور اونٹ 'سو کا نوٹ' ظاہر کرنے کے لئے تھا۔ مثلاً کسی شخص سے چار سو روپے لینا ہو تو بہرا دُکان دار رَبری اونٹ کو گھڑی میں چار کے ہندسے پر رکھ دیتا تھا۔ اِس سے گراہک سمجھ جاتا تھا کہ سو سو کے چار نوٹ دینے ہیں۔ اِسی طرح کسی سے بیس روپے مانگنے ہوں تو وہ رَبر کا ہرن دو کے ہندسے پر رکھ دیتا تھا یعنی دس دس کے دو نوٹ۔ کسی سے نو روپے وصول کرنے ہوں تو مُرغ کو نو کے ہندسے پر رکھ کر سمجھایا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ ایک خاتون دُکان پر آئی۔ اُس نے اپنے تین بچّوں کے لئے 'بارِش بچاؤ ٹوپیاں' خریدیں، ایسی ٹوپی جس میں چھجّا بنا ہوتا ہے۔ اُس عورت نے تین ٹوپیوں کی قیمت

پوچھی۔ بہرے دُکان دار نے رَبر کا اونٹ، ہرن اور مُرغ، تینوں ایک کے ہندسے پر رکھ دِیا۔

خاتون سمجھ گئی اور اُس نے سو کا ایک نوٹ، دس کا یاک نوٹ اور ایک کا ایک سکّہ دُکان دار کو دے دِیا۔ چلتے چلتے اُس خاتون نے اِشارے سے سوال کِیا کہ 'ایک ٹوپی کی قیمت کتنی ہے؟'

found.

کیا آپ بتلا سکتے ہیں کہ بہرا دُکان دار اپنے رَبری کھلونوں اور گھڑی کے ہندسوں کے ذریعے ایک ٹوپی کی قیمت کس طرح بتلائے گا؟

(معمّوں کے جواب کتاب کے آخر میں)

www.urduchannel.in

سانپ کی گرفتاری

جب سے ژَرفر نے دیو کا خاتمہ کِیا تھا، وہ گاؤں والوں کی آنکھ کا تارا بن گیا تھا۔ ماں باپ بھی اُسے پہلے سے زیادہ چاہنے لگے تھے اور اب اُس پر کسی قِسم کی کوئی پابندی نہیں تھی؛ اپنے مَن کا راجا ہو گیا تھا۔

اب اُس کے دِل میں مچھلیاں پکڑنے کی دُھن سوار ہوگئی۔ وہ کیل کانٹے سے لیس ہو کر دریا کے کنارے پہنچ گیا اور ایک اُونچی چٹان پر بیٹھ کر مچھلیاں پکڑنے لگا۔ جب جب وہ پانی میں چھیپ ڈالتا، کوئی نہ کوئی مچھلی کانٹے میں اَٹک کر آجاتی۔ ژَرفر مچھلی کو کانٹے سے الگ کرتا اور اپنے سر پر سے اُچھال کر پیچھے کی طرف پھینک دیتا، یہ سوچ کر کہ ’پیچھے تو پتّھر کی سَپاٹ چٹان ہے، مچھلی بھاگ کر کہاں جائے گی۔‘

تھوڑی دیر بعد جب اُسے اَندازہ ہوگیا کہ دس بارہ مچھلیاں تو جمع ہو چکی ہوں گی، اُس نے اپنے پچھواڑے چٹان کی طرف پلٹ کر دیکھا تو چٹان پر ایک بھی مچھلی نہیں تھی۔ ژرفر کے کان کھڑے ہوئے لیکن وہ ذرا بھی نہیں گھبرایا اور نہایت اِطمینان سے ایک مرتبہ پھر پانی میں چھیپ پھینکی اور مچھلی پکڑی، اُسے کانٹے سے الگ کِیا پھر پہلے کی طرح اپنے سر پر سے مچھلی کو پیچھے اُچھال دِیا اور اپنی بغل میں سے پیچھے کی طرف جھانکا۔ اور پھر جو منظر اُس نے دیکھا وہ ایک حیرت ناک منظر تھا، اُسے دیکھ کر پہلے تو وہ دھک سے رہ گیا مگر پھر اُس کا دِل بلّیوں اُچھلنے لگا۔ وہ بے حد خوش ہوگیا جیسے اُسے کوئی خزانہ مِلنے والا ہو۔

اُس نے یوں دیکھا کہ جیسے ہی مچھلی سپاٹ پتّھر پر جا کر گرتی ہے، ایک یاقوتی اور

کالے پٹّے والا سرخ سانپ بڑی پھرتی سے آتا ہے اور پتّھر پر تڑپتی ہوئی مچھلی کو ہڑپ کر جاتا ہے۔ وہ سانپ اُسی چٹان میں سے نکلتا تھا جس پر ژَرفر بیٹھا مچھلیاں پکڑ رہا تھا۔

ژَرفر کو اچھّی طرح یاد تھا کہ ’ ایک دفعہ بڑے حکیم جی نے بستی میں اعلان کروایا تھا کہ کسی شخص کو اگر یاقوتی ٹھپّے والا سرخ سانپ مِلے تو وہ ہم تک پہنچا دے۔ اُس شخص کو بہت سا اِنعام دِیا جائے گا۔‘

اب ژرفر نے ایک دفعہ پھر چھیپ کے ذریعے ڈور اور کانٹا پانی میں پھینکا، پہلے کی

found.

طرح پھر ایک مچھلی کانٹے میں آ پھنسی لیکن اب کی مرتبہ ژرفر نے مچھلی کو کانٹے سے الگ نہیں کِیا اور اُسے ڈور اور کانٹے سمیت پیچھے کی طرف پھینک دِیا۔ لال سانپ نے پھر آئی ہوئی مچھلی پر دھاوا بول دِیا اور اُسے اپنے جبڑے میں جکڑ لیا۔ جبڑے میں مچھلی کو جکڑ لینے کے بعد وہ زور لگانے لگا کہ کسی طرح مچھلی ڈور سے آزاد ہو جائے اور میَں اُسے اُسی طرح چٹ کر جاؤں جس طرح اِس سے پہلے ہاتھ آئی ہوئی مچھلیوں کو کھاتا رہا ہوں۔

سانپ مچھلی کو ڈور سے چھُڑانے کی کوشِش میں لگا ہوا تھا۔ اِسی کوشش میں سانپ کا

www.urduchannel.in

جبڑا کانٹے میں پھنس گیا۔سانپ بوکھلا کر بَل کھانے لگا لیکن اس سے اُس کا جبڑا پوُری طرح کانٹے میں پھنس گیا اور نکلنے جیسا نہیں رہا۔گویا کہ ژَرفر نے لال سانپ کو گرفتار کرلیا تھا۔

اب ژَرفر نے سانپ کو ڈور سے لٹکا لیا اور اُسے لٹکائے ہوئے حکیم جی کے مطب کی طرف دَوڑ گیا۔حکیم جی نے دیکھا کہ یہ تو اُسی قِسم کا سانپ ہے جس کا ہم نے اعلان کِیا تھا۔اُنھوں نے ژرفر کو اِنعام دینا چاہا مگر ژَرفر نے اِنعام کی رقم نہیں لی اور اُس سانپ کو حکیم جی کے حوالے کر کے اپنے گھر واپس چلا آیا۔

ایک مہینے کے بعد گاؤں کے زمین دار کی بیوی بگھّی میں بیٹھ کر آئی اور سیدھے ژَرفر کے گھر پر آ کر اُتری۔وہ ژرفر کے کارنامے پر بہت خوش تھی۔وہ ژرفر کے ماں باپ سے اپنی بیماری کا قصّہ بَیان کررہی تھی:

”مجھے ایک عجیب قِسم کی جِلدی بیماری ہوگئی تھی جس سے میرا پوُرا جسم لال ہوگیا تھا۔حکیم جی نے اُس وقت بتلایا تھا کہ دَوا بنانے کے لئے اُس قِسم کا لال سانپ چاہیے جیسا کہ ژَرفر نے پکڑا تھا۔اُس سانپ کی چربی سے حکیم جی نے ایک دَوا بنائی اور مجھے دی۔اُس دَوا کے اِستعمال سے میری جِلدی بیماری دوُر ہوگئی؛ اب میَں پوُری طرح تندرست ہوگئی ہوُں اور میَں ژَرفر سے بہت خوش ہوُں۔“

اِس خوشی میں اُس بی بی نے پان دان کی شکل کی ایک پیتل کی پیٹی ژرفر کی ماں کو دی جس میں سونے کی اشرفیاں بھری ہوئی تھیں۔

ماہم کا میلہ اور چالاک لڑکی

فرطہ اور فولم بہن بھائی تھے۔وہ بمبئی کے رہنے والے تھے۔فولم کم دِماغ تھا؛ وہ ٹھیک سے بول بھی نہیں پاتا تھا۔لیکن فرطہ اپنے چھوٹے بھائی فولم کو بہت چاہتی تھی اور آج اُسے ماہم کا میلہ دِکھانے کے لئے لے کر آئی تھی۔میلے کی چہل پہل، دُکانیں، روشنیاں،

found.

ہنگامے اور تماشے فولم کو بڑے اچھے لگتے تھے۔وہ اِن ساری چیزوں کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا تھا اور فرطہ فولم کی خوشی دیکھ کر خوش ہوتی تھی۔

میلے میں پھرتے پھرتے فولم کسی طرح اُس کے ہاتھ سے چھوُٹ گیا اور بھیڑ میں گم ہوگیا۔فرطہ بڑی گھبرائی اور پریشان ہوگئی۔وہ اِدھر اُدھر دَوڑ بھاگ کر کے فولم کو تلاش کرنے لگی۔وہ اُسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے پسینہ پسینہ ہوگئی حالاں کہ موسم سردی کا تھا۔اُسے اِس کا بھی ڈر تھا کہ وہ ماں سے بولے بغیر فولم کو میلہ دِکھانے لے آئی ہے اور اُسے یوُں بھی فولم کو

www.urduchannel.in

ڈھوٗنڈنا ہی تھا۔ اُس نے دل میں ٹھان لیا کہ 'میں فولم کو ڈھونڈے بغیر گھر نہیں جاؤں گی'۔

وہ فولم کو تلاش کرنے کے لئے اپنے دِماغ پر زور ڈالنے لگی۔ سوچتے سوچتے آخر اُسے ایک ترکیب سوٗجھ ہی گئی۔

اُس نے میلے میں اِدھر اُدھر نظر دَوڑائی۔ میلے میں چوراہے پر دو اِلکٹرک پول آمنے سامنے تھے، اُن دونوں کھمبوں کے درمیان کچھ اوٗنچائی پر ایک رسّی تنی ہوئی تھی۔ وہ رسّی کسی دُکان دار نے کسی ضروٗرت سے لگا رکھی ہوگی۔ فرحہ نے اپنا سوئٹر اُتارا اور اُسے رسّی پر اِس طرح پھینک دِیا کہ وہ سوئٹر ٹھیک رسّی پر جا کر لٹک گیا۔

اِتنا اِنتظام کرنے کے بعد فرحہ فولم کی تلاش میں نکلی۔ وہ فولم کو ڈھوٗنڈنے کے لئے میلے کی ہر سمت میں جاتی اور ہر پھر کر بار بار اُس چوراہے پر آتی جہاں اُس نے اوٗنچائی پر اپنا سوئٹر ٹانگ رکھا تھا۔

اُدھر فولم پھرتے پھرتے اُس چوراہے پر آیا اور وہاں اُس نے اپنی بہن فرحہ کا سوئٹر لٹکا ہوُا پایا۔ بس وہ ٹھٹک کر وہیں رُک گیا۔ وہ سوئٹر کی طرف اِشارہ کرتا اور راستہ چلتے لوگوں سے غوٗں غاں کرتا جاتا تھا۔ وہ اصل میں لوگوں سے یہ پوٗچھنا چاہتا تھا کہ 'اِس سوئٹر والی، یعنی میری بہن کہاں ہے۔' وہ بھیڑ میں لوگوں کے دھکّے کھاتا رہا مگر سوئٹر کے پاس سے نہیں ہٹا۔

فولم کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے فرحہ پھر جب اُس چوراہے پر آئی تو اُس نے فولم کو وہاں کھڑا ہوُا پایا جو سوئٹر کی طرف اِشارہ کر کر کے لوگوں کو پریشان کر رہا تھا مگر وہیں جما ہوُا تھا۔ اُس نے فرحہ کو اپنی طرف آتے دیکھا تو دَوڑ کر اُس سے لِپٹ گیا۔

پھر فرحہ نے قریب کے ایک دُکان دار سے ایک لمبی لکڑی مانگی، لکڑی کی مدد سے اُس نے اپنا سوئٹر رسّی پر سے اُتارا اور پھر دونوں بھائی بہن اپنے گھر کی طرف چل پڑے۔

بوٗڑھے کی دانائی

مالم پوٗر کے مشرقی کنارے پر ایک غریب بوٗڑھا رہتا تھا۔ بوٗڑھا ہونے کے ساتھ ساتھ وہ نابینا بھی ہو چکا تھا۔ اب وہ اپنی کھاٹ پر پڑا رہتا تھا۔ اُس کا مٹّی کا پُرانا گھر تھا جیسے دیہاتوں کے گھر ہوتے ہیں؛ یعنی مٹّی کی خوٗب چوڑی چوڑی دیواریں، لکڑی کے دروازے، کھڑکی، دھابے کی چھت۔ اُس کے بچّے مزدوری کرتے تھے؛ غریبی میں گزر بسر ہوتی تھی۔

ایک دفعہ کی بات ہے۔ آدھی رات کا وقت تھا۔ وہ اَندھا بوٗڑھا چپکے سے اُٹھا اور ٹٹول کر چلا۔ اُس نے اَپنے منجھلے بیٹے کو نیند سے جگا دِیا اور اُس سے کہنے لگا:

''بیٹا! مجھے ایسا لگتا ہے، اپنی دیوار کے پیچھے کوئی ہے۔ اگر سمجھ میں آئے تو تھوڑی تکلیف کرو اور چپکے سے جا کر دیکھ تو سہی۔''

بوٗڑھے کے اُس منجھلے لڑکے نے اپنے دونوں بھائیوں کو بھی جگا دِیا اور پھر تینوں بھائی گھر کی دیوار کے پیچھے جانے کو تیّار ہو گئے۔ اب بوٗڑھا اُن سے کہنے لگا:

''دیکھو بیٹا! میری مانو تو تم اِس طرح جانا کہ کہیں اور سے آئے ہو؛ اِس گھر کے نہیں ہو، ورنہ وہ جو کوئی بھی ہوں گے، وہ اپنے گھر کے دُشمن ہو جائیں گے۔'

باپ کی بات بیٹوں کی سمجھ میں آ گئی اور اُنھوں نے ایسا ہی کِیا۔ کافی دیر کے بعد وہ تینوں بیٹے بڑی خوشی خوشی گھر میں آئے۔ آ کر بوٗڑھے کو خوش خبری دی کہ بہت سا مال ہاتھ آیا ہے۔ ہمارے گھر کی دیوار کے پیچھے سچ مچ دو چور بیٹھے ہوئے تھے اور چُرائے ہوئے مال کا حصّہ بخرہ کر رہے تھے...'' پھر دوسرا بیٹا بولنے لگا:

www.urduchannel.in

''ہم نے اُنھیں بہت مارا ہے اور دَوڑا دَوڑا کر مارا ہے۔ہم اُنھیں دَوڑاتے دَوڑاتے بڑی دوُر تک نکل گئے تھے۔ہم نے اُنھیں یہ بھی بتایا کہ ہماری بستی کے کچھ لوگ جاگتے رہتے ہیں۔اب شاید ہی وہ کبھی اپنی بستی کا رُخ کریں۔''

''میرے نیک بچّو! یہ مال ہماری بستی والوں میں سے کسی کا نہ ہو۔''

''اگر ایسا ہُوا تو کل کے دِن کہیں نہ کہیں سے خبر مِل ہی جائے گی۔اور اگر آس پاس کی کسی بستی سے بھی چوری کی خبر مِلی تو ہم یہ مال اُنھیں دے آئیں گے۔'' بڑے لڑکے نے کہا۔اُس کے بعد چھوٹا بولنے لگا:

''اور پھر بابا! روپیوں پیسوں پر کسی کا نام لکھا نہیں ہوتا۔ہم اگر بستی میں پوچھنے جائیں گے تو کوئی بھی کہہ سکتا ہے کہ ُہاں ہمارا مال ہے۔

''یہ بات بھی صحیح ہے۔''بوُڑھے نے کہا۔

گھر میں اِن کی آوازوں سے بہوُ اور بیٹی بھی جاگ اُٹھے تھے اور گھر میں آدھی رات کے وقت رَت جگا مچ گیا۔

اُس کے بعد تھوڑی دیر تک تو اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر اَچانک بوڑھے کی لڑکی کو کچھ خیال آیا اور وہ بوُڑھے سے پوچھنے لگا:

''لیکن بابا! ہم یہ نہیں سمجھ سکے کہ آپ کو اِس کا اَندازہ کیسے ہُوا کہ ہماری دیوار کے پیچھے کوئی موجود ہے؛ کیا چوروں کی بات چیت کی آواز آئی تھی؟''

لڑکی کی اِس بات پر بوُڑھا پہلے تو مُسکرایا اور پھر ہنس پڑا۔

''نہیں، مَیں نے چوروں کی آواز نہیں سُنی تھی اور اُنھیں دیکھنے کا تو سوال ہی نہیں۔''

''پھر آپ کو کیسے پتہ چل گیا؟'' اب کی مرتبہ بہوُ نے سوال کر دِیا۔

''بیٹی! مَیں کئی روز سے بلکہ ہفتہ بھر سے تجھ سے کہتا رہا ہوُں کہ میری کھاٹ کے پاس چوُہے کی بِل ہو گئی ہے، اُسے بند کر دے اور توُ اُسے ٹالتی رہی۔اِتنے دِنوں میں مجھے چوُہے کی چال ڈھال سمجھ میں آگئی۔

مَیں جب کھاٹ پر نہیں رہتا تو چوُہا گھر میں آکر کُتر پُتر کرتا رہتا ہے اور جب مَیں کھاٹ پر رہتا ہوُں تو وہ اپنی بِل کے باہر نہیں آتا، یا شاید آکر بِل میں سے جھانکتا ہوگا اور مجھے موجود پا کر واپس بِل میں گھس جاتا ہوگا۔

found.

آج تو مَیں کھاٹ پر بیٹھا ہوا تھا اور مجھے گھر کے اندر چوُہے کی آہٹ محسوس ہوئی تب مَیں سوچنے لگا کہ ُآج چوُہے نے یہ نیا کام کیسے کر ڈالا یعنی کھاٹ پر میرے ہوتے ہوئے بِل کے باہر آگیا۔مجھے ایسا لگا کہ اُس کی بِل کا وہ سوُراخ جو دیوار کے باہر کی طرف نکلتا ہوگا، وہاں کوئی اِنسان یا جانور آیا ہوگا جس کے ڈر سے چوُہا گھر میں چلا آیا اور گھر میں پناہ لی ہے۔

بس مَیں نے ایسا اَندازہ کر کے لڑکوں کو جگا دِیا اور میرا اَندازہ صحیح نکلا۔''

معمّہ: اِمتحان کی بس

اِمتحان دینے والے نوجوان طلبہ نے ایک پرائیوٹ بس کر لی اور وہ بس اپنے لمبے سفر پر نکل پڑی۔ راستے میں ایک جگہ اونچا پہاڑی سلسلہ تھا جس پر گھاٹ بنا ہُوا تھا۔ پہاڑ کے گھاٹ پر بس چڑھ رہی تھی۔ گھاٹ کے درمیان جب بس پہنچی تو راستہ بند تھا۔ پہاڑ پر سے ایک بہت بڑی پتھّر کی چٹان لڑھک کر آئی تھی اور وہ عین راستے کے بیچ آ کر گری تھی، وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتی تھی۔ اب نہ تو چٹان کے اِس طرف سے بس کے گزرنے کا راستہ بچا تھا اور نہ تو اُس طرف سے۔

گھاٹ کاٹ کر جو دیوار بنائی گئی تھی، اُس طرف سے بس گزرنے کا تو سوال ہی نہیں اُٹھتا تھا، اُس طرف اُتنی جگہ ہی نہیں تھی۔ اور چٹان کے باہر کھُلی طرف سے، جدھر پہاڑی کی ڈھلان تھی، اُدھر اِتنی ہی جگہ تھی کہ بس کی دو چاک سڑک پر رہ رہی تھی اور باہر کی طرف کی دو چاک سڑک کے باہر جا پڑتی تھی یعنی وہ دو چاک ہَوا میں معلّق ہو رہی تھی۔

ایسی صوٗرت میں جب کہ بس کو بہت جلدی اُس چٹّان سے آگے گزار کر لے جانا ضروٗری ہے کیوٗں کہ اِمتحان کے وقت پہنچنا ضروٗری ہے۔

کیا آپ کوئی راستہ سُجھا سکتے ہیں کہ طلبہ کی اس بس کو چٹّان کے اُس طرف کس طرح لے جایا سکتا ہے تا کہ وہ اپنے اگلے سفر پر جلدی رَوانہ ہو سکے۔

(معمّوں کے جواب کتاب کے آخر میں)

www.urduchannel.in

کہانی راج کرتی ہے

اُس دِن موسم پوُر علاقے کی لائٹ آف تھی۔ پوُرا شہر اَندھیرے میں ڈوُبا ہوا تھا۔ گھروں کے پنکھے بند تھے۔نواب صاحب کے گھر کے لوگ حویلی کے باہر باغیچے میں آ کر بیٹھے تھے تا کہ تازہ ہَوا نصیب ہو۔جلسہ بھابھی نے اپنے دیور بَرسم سے اپنے بچّوں کی شکایت شروع کردی:

’’سُنتے ہو برسم! آج میَں اِن نالائقوں کے اسکول میں گئی تھی۔ اِن کی ہیڈ مسٹریس نے مجھ سے شکایت کی کہ

’’آپ کے بچّوں کا عجیب مزاج ہے، پڑھائی میں ان کا دِل نہیں لگتا۔‘‘

پھر میَں اِن چاروں میں سے ہر ایک کی کلاس میں گئی اور دیکھا کہ سچ مچ اِن لوگوں کی توجّہ ٹیچر کی طرف نہیں رہتی ہے۔

سُریب کی میڈم دُم دار ستارے اور ٹوُٹنے والے تارے کا فرق سمجھا رہی تھیں۔ اُنھوں نے مجھ سے سُریب، روبی، رُخی اور رمبا کی شکایت کی تو میَں نے اُن سے کہہ دِیا کہ ’اِن نالائقوں کی دُم کھینچ کھینچ کر مارو تب اِن کی دُم سیدھی ہوگی۔‘

’’دُم ہی نہیں ہے تو سیدھی کیسے ہوگی، ہے نا چاچا!‘‘ رمبا نے اِتنا کہا اور اِتنے میں جنوُب کی سمت آسمان میں ایک سِتارہ ٹوُٹ کر گرا۔ سِتارے کی روشنی سے ساری فضا یک لخت جگمگا اُٹھی۔ سب کی توجّہ ٹوٹنے والے تارے کی طرف ہوگئی تھی۔ سِتارہ ٹوٹ کر گرنے کا منظر بچّوں کو بڑا بھلا لگا۔

’’چاچا، یہ ستارہ ٹوٹ کر کیسے گرتا ہے اور یہ جلتا کیوُں ہے؟‘‘ روبی نے برسم سے سوال کِیا۔

’’ابھی بتاتا ہوُں۔‘‘ اِتنا کہہ کر برسم دَوڑ کر گیا اور حویلی میں جا گھسا۔ رمبا بولنے لگا: ’’اب چاچا لکڑی لے کر آئیں گے اور ہمیں ماریں گے۔ روبی کو پہلے پڑے گی؛ اُسی نے بات چھیڑی ہے۔‘‘

لیکن برسم حویلی میں سے کچھ اور ہی چیز لے کر آیا۔ یہ پٹاخہ کھیلنے والی ایک چھوٹی سی

found.

پستول تھی۔ بَرسم آ کر اپنی کرسی پر بیٹھا اور پستول کا رُخ آسمان کی طرف کر کے پستول چلا دی، اُس میں سے آگ کی ایک رنگین لکیر نکلی اور آسمان میں دوُر تک چلی گئی۔

پستول سے آگ پھینکنے کا یہ کھیل بچّے پہلے بھی کھیل چکے تھے لیکن آج اُنھیں اِس کھیل کا کچھ اَور ہی مزہ آیا کیوُں کہ چاروں طرف گھُپ اَندھیرا تھا اور اندھیرے میں اُس آگ کی لکیر کے آسمان میں جانے کا سماں بڑا بھلا لگ رہا تھا۔

’’میَں اِس گولی کو پستول کے بغیر بھی داغ سکتا ہوُں۔ تم میں سے کوئی اِسے جلا کر

www.urduchannel.in

دِکھائے گا؟'' برسم نے بچّوں سے سوال کِیا۔ برسم کے اِس سوال پر جلسہ بھابھی بھی حیرت میں پڑ گئیں۔

''نہیں چاچا! تم جلا کر دِکھاؤ نا۔'' رُخی نے برسم سے اَپیل کی۔ برسم نے اپنے ہاتھ میں ایک تیلی لے کر کرسی کے ہتھّے پر بڑی تیزی سے رَگڑی۔ وہ تیلی جھٹ جل اُٹھی۔ برسم نے اُتنی ہی تیزی سے وہ تیلی فضا میں اُچھال دی۔

''چاچا، یہ تیلی کیسے جل اُٹھی؟'' رمبا نے شوق سے پوچھا۔

''جیسے ٹوٹا ہُوا تارہ جل اُٹھتا ہے۔''

''ٹوٹا ہُوا تارہ کیسے جلتا ہے؟ چاچا تم ہمیں بتاؤ تو سہی!'' روبی نے پھر اپنا پچھلا سوال دُہرایا اَور برسم نے بولنا شروع کِیا:

''سنو، پُرانے دَور کا ایک قِصّہ سُنو!'' قصّے کے ذِکر پر چاروں بچّے تو کیا، جلسہ بھابھی بھی سنبھل کر بیٹھ گئیں۔ اِتنے میں برسم کا بڑا بھائی بھی آ گیا اور وہ بھی بیٹھ کر برسم کا قصّہ سُننے لگا۔

''بحرِ ہند میں ایک جہاز سفر کر رہا تھا۔ سمندر میں اَچانک طوفان آ گیا اور جہاز ڈوب گیا۔ اُس جہاز کا ایک نوجوان مُسافر جیسے تیسے قریب کے ایک جزیرے سے جا لگا۔ جزیرے کی زمین پا کر اُس نے خدا کا شُکر اَدا کِیا۔

اُس جزیرے پر ایک بہت بڑا قبیلہ آباد تھا۔ قبیلے کے لوگوں نے اُس نوجوان لڑکے کو اپنے سردار کے یہاں پہنچا دِیا۔

''اَب قبیلے کے لوگ اُسے بھُون کر کھا جائیں گے، ہے نا چاچا؟''

''بھابھی، ذرا وہ لکڑی اُٹھا کر دینا تو! یہ لوگ ایسے نہیں مانیں گے۔''

بھابھی نے سچ مچ لکڑی اُٹھا کر دے دی۔

''اب ہم بیچ میں نہیں بولیں گے۔ اے، چُپ رہو رے سب کوئی۔ ہاں تو پھر آگے کیا ہُوا چاچا؟''... رُخی نے پالیسی پھیری اور سبھوں کو چُپ کرایا۔

قبیلے کے سردار نے اُس نوجوان کو اپنے لڑکے کی طرح سمجھا اور اُس کی خاطر تواضع کی؛ کھانا وغیرہ کھِلایا پلایا۔

رات کا وقت تھا جزیرے پر اِسی طرح کا گھُپ اندھیرا تھا۔ اِتنے میں آسمان سے ایک ستارہ ٹوٹ کر گرا۔ قبیلے کے سردار نے نوجوان مہمان سے پوچھا:

''تمھیں معلوم ہے بیٹا کہ یہ ستارہ کیوں ٹوٹ کر گرتا ہے؟''

''آپ ہی بتلا دیں چاچا! آپ ہمارے بزرگ ہیں، آپ ہم سے بہتر جانتے ہیں

''دُنیا میں جب کوئی بڑا آدمی مرتا ہے، اُس وقت یہ ستارہ ٹوٹ کر گرتا ہے۔'' قبیلے کے سردار نے بڑے شوق سے لڑکے کو معلومات دی۔

''اچھّا اچھّا، تو یہ بات ہے!'' لڑکے نے بڑے اَدب سے کہا جیسے وہ اِس معلومات

www.urduchannel.in

پرسردار کا شکریہ اَدا کر رہا ہو۔

’’مگر چاچا، ہمارے اسکول میں ہمارے اُستاد نے تو کچھ اور ہی بتلایا تھا۔‘‘

’’کیا بتلایا تھا تمھارے اُستاد نے؟‘‘

اِتنا کہہ کر برسم نے زمین پر سے ایک گول چکنا پتّھر اُٹھا لیا۔ اُس نے پتّھر کو کرسی کے پائے سے رَگڑا تو وہ پتّھر گرم ہو گیا۔ اُس نے اُس پتّھر کو رمبا کے ہاتھ سے مس کر دیا۔

found.

رمبا کو پتّھر گرم محسوس ہُوا۔ پھر برسم نے پتّھر رَگڑ رَگڑ کر باقی بچّوں کو بھی سمجھایا کہ رَگڑ سے چیزیں گرم ہو جاتی ہیں... اب برسم نے آگے کی کہانی شروع کی:

’’بس اِسی طرح اُس لڑکے نے پتّھر رَگڑ کر سردار کو بتلایا کہ رَگڑ کھانے سے چیزیں گرم ہوتی ہیں۔ آسمان میں سِتاروں کے ٹکڑے ٹوٹ ٹوٹ کر اِدھر اُدھر بکھرتے ہی رہتے ہیں البتّہ ستارے کا کوئی ٹکڑا جب ہماری زمین کی طرف گرتا ہے تو اُس کے راستے میں ہَوا رُکاوٹ بنتی ہے اور ستارے کا ٹکڑا ہَوا سے رَگڑ کھاتا ہے۔ ایک تو اُس سِتارے کی بے تحاشا رَفتار اور دوسرے اُس کا ہَوا سے رَگڑ کھانا، اِس وجہ سے وہ گرم ہو جاتا ہے اور اِتنا زیادہ گرم

ہوتا ہے کہ وہ جل اُٹھتا ہے۔ وہ ستارے کا ٹکڑا ہماری زمین پر گرنے سے پہلے ہی جل کر بھسم ہو جاتا ہے۔‘‘

لڑکے کی بات سُنتے ہوئے قبیلے کے سردار کی آنکھیں پھٹی پڑ رہی تھیں، لڑکے کا بَیان جاری تھا:...’’یہ بات تو ہمارے اُستاد نے بتلائی تھی لیکن آپ کے یہاں آنے سے مجھے ایک نئی بات معلوم ہوگئی ہے۔‘‘

’’نہیں بیٹا!‘‘ سردار نے اُس لڑکے سے کہا...’’تم نے مجھے ایک نئی بات بتلائی ہے جو تمھارے اُستاد نے تمھیں بتلائی تھی۔ مجھے تو تمھارے اُستاد کی بات ہی سچ لگتی ہے۔‘‘

’’وہ کیوں کر چاچا جی؟‘‘

’’کیوں کہ مرنے والے تو دِن میں بھی مرتے رہتے ہیں۔ اُس وقت کوئی ستارہ ٹوٹ کر گرتا نظر نہیں آتا۔ آخر دِن میں مرنے والوں نے کیا قصوٗر کِیا ہے!‘‘... اِس طرح سردار کی آنکھوں کی پٹّی کھُلی اور اُس نے پھر کہا:

’’کاش! ہمارے یہاں بھی کوئی اسکول ہوتا تو مَیں اِتنے بڑے نواب کی اَولاد... ارے مَیں تو بھوٗل گیا.. یعنی کہ اِتنے بڑے قبیلے کا سردار اِتنا گنوار تو نہ ہوتا اگر اسکول پڑھتا۔‘‘

بچّے سمجھ گئے کہ کہانی کے بہانے چاچا ہمیں للکار رہے ہیں۔ روبی سے چُپ کا نہ رہا گیا، وہ بول اُٹھی: لیکن چاچا! اگر ہماری میڈم تمھارے جیسی کہانی بنا کر کوئی بات سمجھائیں گی تو بات ہماری سمجھ میں آتی جائے گی۔‘‘

’’ارے بدمعاشو! ہر بات کی کہانی نہیں بنتی، سمجھے‘‘ برسم نے ڈانٹ پلائی؛

’’نہیں نہیں چاچا! ہر بات کی کہانی بنی چاہیے۔‘‘ سُریب نے کہا جو بڑی دیر سے چُپ رہا تھا۔

''ہاں تو پھر مَیں تمھیں کل تک کا وقت دیتا ہوں۔تم چاروں مِل کر 'جنگل کی آگ' کی کہانی بنا کر دِکھاؤ، تب سمجھوں؛ تمھیں کہانی کے ذریعے یہ بتلانا رہے گا کہ جنگل کی آگ کیا چیز ہوتی ہے۔اور سُنو! کل تک اگر تم نے جنگل کی آگ کی کہانی بنا کر نہیں دی تو پھر سچ مچ مَیں تمھاری دُم پکڑ کر پٹخوں گا، یاد رکھنا۔''

''جیسے دھوبی کپڑے پٹختا ہے، ہے نا چاچا؟'' روبی بولی۔

''یعنی کہ مَیں دھوبی ہوں؟ کیوں رے او بندرو!'' بَرسم جھکائی دے کر بچّوں کی طرف لپکا ہی تھا کہ چاروں بچّے اُٹھ اُٹھ کر حویلی کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔اُسی وقت لائٹ بھی آ گئی تھی۔

جنگل کی آگ

دوسری رات بَرسم نے دیکھا کہ چاروں بچّے اُس کے پاس دَوڑے چلے آئے ہیں لیکن اُن چاروں نے رَبری نلکی کی دُم لگا رکھی ہے؛ رَبر کا وہ پھُگا جو لمبوتری نلی کی شکل کا ہوتا ہے اور جسے پمپ سے ہَوا بھر کر پھُلاتے ہیں۔

''یہ کیا ہے؟'' برسم نے پوُچھا۔

''چاچا! آج تم ہماری دُم پکڑ کر پٹخنے ہی والے ہو، اِس کے لئے دُم ضرؤری تھی۔''

''مطلب یہ کہ تم 'جنگل کی آگ' کی کہانی نہیں بنا سکے۔مگر بدمعاشو! مَیں تمھیں ویسے بھی پٹخ سکتا ہوں، اس کے لئے دُم ضروری نہیں ہے؛ نکالو یہ دُم...''

بَرسم اُٹھنے کو ہُوا تو چاروں نے اپنی اپنی دُمیں کھینچ کر پھینک دیں۔

''ہاں تو چاچا، تم ہمیں اُٹھا کر بعد میں پٹختے رہنا لیکن اُس سے پہلے ہمیں جنگل کی آگ کی کہانی سُنا دو۔'' رُخی بولی اور پھر فوراً رُوبی بچّوں سے بولنے لگی:

''اے، کہانی کے بیچ میں کوئی کچھ بولنا مت اور اب اَدب سے بیٹھ جاؤ، بھلا کیا۔''

رؤبی نے مُنہ پر اُنگلی رکھ کر چاچا کو مَسکا لگایا اور پھر چاروں نوٹنکی جھٹ ہاتھ باندھ کر ایسے بیٹھ گئے جیسے اسکول میں چھُٹّی کے وقت بچّے بیٹھتے ہیں۔

اُن پاکھنڈی بچّوں کا اَدب دیکھ کر بَرسم مُسکرا اُٹھا اور کہانی شروع کر دی۔

''جزیرے کے سردار کے یہاں وہ نوجوان لڑکا طورَس کچھ دِن مہمان رہا، اِتنے عرصے میں طورَس نے جزیرے کی بہت سی بستیاں دیکھیں جن پر سردار کا راج پاٹ تھا۔ایک دِن سردار طورَس سے کہنے لگا:

''ایک بہت خوُب صوُرت علاقہ ہے لیکن وہ ذرا دوُر پڑتا ہے۔''

''تو کیا ہُوا، مَیں اُس علاقے کو ضرؤر دیکھوں گا، چاچا، اگر آپ تھک رہے ہوں گے تو مَیں اکیلا ہی چلا جاؤں گا۔آپ صرف اُس علاقے کا اِشارہ مجھے...''

www.urduchannel.in

’’چُپ رہو بیٹے طورس! ہمارے یہاں تھکنے کا نام موت ہے، سمجھے! اَور پھر مَیں ابھی اِتنا بوُڑھا بھی نہیں ہُوا ہوُں، ابھی اِن ہڈّیوں میں بہت جان باقی ہے۔‘‘

سردار کی بات پر طورس مُسکرا اُٹھا۔ پھر وہ دونوں اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور ایک مرتبہ پھر جنگل کی خاک چھاننے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ سردار طورس سے اُس کے اسکول کی باتیں معلوم کرتا ہُوا چل رہا تھا۔ اِس طرح وہ دونوں کافی دوُر نکل آئے۔ اچانک سردار کچھ چُپ چُپ سا ہو گیا تھا۔

’’کیوُن چاچا! کچھ بول نہیں رہے ہیں آپ۔ آپ کی طبیعت تو...‘‘

’’نہیں، طبیعت کی کچھ بات نہیں ہے، مجھے ایسا لگتا ہے، مَیں راستہ بھوُل رہا ہوُں، رُک جاؤ۔ وہ راستہ کہیں اِتنا تنگ نہیں تھا۔ آگے تو راستہ ہی بند ہُوا جا رہا ہے۔ یہ وہ راستہ نہیں ہے، پلٹ چلو۔‘‘

پھر وہ دونوں وہاں سے پلٹ پڑے۔ واپسی میں پھر ایک جگہ راستہ بند ہو گیا تھا اور بڑی تنگ جگہ آ گئی تھی۔

’’ایسا کرتے ہیں؛ گھوڑوں کو یہیں باندھ دیتے ہیں اور ہم اَصل راستہ تلاش کرتے ہیں۔‘‘ سردار نے کہا۔ پھر دونوں اُس اوُبڑ کھابڑ جگہ سے آگے بڑھے۔

’’ہم کسی اوُنچے درخت پر چڑھ کر لال پھوُلوں کی وادی تلاش کرتے ہیں وہ راستہ اُس جنگل سے ہو کر گزرتا ہے جہاں کے درختوں پر لال پھوُل آتے ہیں۔‘

’’خیر، درخت پر چڑھنے کا کام تو مَیں بھی کرلوُں گا اور لال پھوُلوں کی وادی تلاش کرلوُں گا۔‘‘ طورس نے جواب دِیا۔

اب کسی اوُنچے درخت کی تلاش میں وہ دونوں پھر آگے بڑھنے لگے۔ آخر ایک کھُلا

ہوا راستہ سامنے نظر آیا، وہ دونوں اُس راستے پر ہو لیے۔ چلتے چلتے سردار اَچانک چیخ پڑا:

’’طورَس بیٹے، واپس بھاگو۔ سامنے سے گرم ہَوا کی لہر چل رہی ہے، جنگل کی آگ کی ہَوا۔ ذرا دیر میں وہ ہمیں آ لے گی۔‘‘

وہ دونوں اُسی کھُلے راستے پر واپس پلٹ کر بھاگنے لگے۔ اب اُنھیں بندروں کے چیخنے کی آوازیں سُنائی دیں اور پھر ہزاروں بندر اُن کے سروں پر نظر آئے جو اِس درخت سے اُس درخت پر چھلانگیں مارتے ہوئے بھاگے چلے جا رہے تھے۔ پھر ان کے آزوُ بازوُ سے جنگلی جانور قطار دَر قطار بھاگتے ہوئے دِکھائی دیے؛ اُن میں شیر بھیڑیے، ہرن، نیل گائے، لومڑی، خرگوش سبھی جانور تھے۔ اس وقت نہ تو شیروں کو ہرنوں کو پکڑنے کا خیال تھا اور نہ ہرنوں کو شیر چیتوں کا ڈَر۔ اُن سب کے دِماغ پر صرف ’بھاگو بھاگو ‘ کی دھُن سوار تھی۔

’’یہ تو حشر کے میدان کا سا سَماں ہے۔‘‘ بھاگتے بھاگتے طورس بولا۔

’’یہ کون سا میدان ہوتا ہے؟‘‘ سردار نے بھاگتے بھاگتے ہی پوچھا۔

’’پھر کبھی بتاؤں گا۔‘‘

www.urduchannel.in

جلتے ہوئے درختوں کے چٹخنے کی آوازیں، جنگلی جانوروں کی چیخ پکار، پرندوں کا شور، ہَوا کی سنسناہٹ۔ ذرا دیر میں وہ ہنگامہ اِتنا بڑھ گیا کہ طورس اور سردار کو ایک دوسرے کی آوازیں نہیں سُنائی دے رہی تھیں۔

پھر اُنھوں نے اُن بھاگتے ہوئے جانوروں میں اپنے گھوڑوں کو بھاگتے ہوئے پایا۔ سردار نے گھوڑوں کو بُلانے کے لئے ایک عجیب طرح کی آواز نکالی مگر وہ گھوڑے سردار کی آواز پر متوجّہ نہیں ہوئے۔

found.

''جان کس کو پیاری نہیں ہوتی، آواز سُن کر بھی بھاگے جا رہے ہیں۔''

''نہیں سردار! اُن گھوڑوں تک ہماری آواز نہیں پہنچ پا رہی ہے ورنہ وہ ضرور پلٹ کر آتے؛ گھوڑے وفادار ہوتے ہیں۔'' سردار نے حیرت سے طورس کو دیکھا۔

''اب تو وہ ہاتھ سے گئے، رسّی تُڑا کر بھاگ پڑے ہیں۔'' سردار بولا۔

''سردار! اِدھر کہیں پانی کا تالاب تو ہوگا؟'' طورس نے پوچھا۔

''ہم جس راستے پر دَوڑ رہے ہیں اِس پر آگے چل کر پانی کا ایک گڑھا ہے جسے

تالاب تو نہیں کہہ سکتے البتّہ تالاب کا بچّہ کہہ لیں گے۔'' سردار نے کہا۔

''اگر آگے کہیں بڑا میدانی علاقہ ہو تو ٹھیک، ورنہ ہمیں اُسی پانی کے پاس چل کر رُکنا ہے۔ ٹھیک ہے نا سردار!''

''ہاں بیٹے، یہی ٹھیک رہے گا۔ قریب میں کوئی بڑا میدان نہیں ہے۔ مَیں تمھاری بات سمجھ رہا ہوں۔ یہ ٹھیک ہُوا کہ آگ کے یہاں پہنچنے سے پہلے ہم تالاب کے پاس پہنچ رہے ہیں۔''

چلتے چلتے طورس نے درخت کی چھالوں کے دو بڑے بڑے پوپڑے راستے سے اُٹھا لیے جو چپّو کی شکل کے تھے۔ اور پھر وہ پانی کے تالاب کا بچّہ آ ہی گیا۔

''پہلے خوب جی بھر کر پانی پی لیتے ہیں۔'' طورس نے کہا۔ پانی پی لینے کے بعد اُس نے چھال کا ایک پوپڑا سردار کے ہاتھ میں تھما دِیا۔ پھر چاچا بھتیجے دونوں نے مِل کر اُن سوکھی چھالوں کی مدد سے آس پاس پانی پھینکنا شروع کِیا۔ سردار اُن چھالوں کے ذریعے آس پاس پانی پھینکتا جاتا تھا اور ساتھ ہی طورس کی تعریف کرتا جاتا تھا لیکن آگ کے ہنگامے میں طورس سُن نہیں پا رہا تھا کہ سردار کیا کہہ رہا ہے۔ البتّہ طورس بڑا ہاتھ مار مار کر دوٗر دوٗر تک پانی کی بوچھار کر رہا تھا۔ اِن دونوں کی لگاتار چاند ماری سے پانی میں بھونچال سا آ گیا تھا۔

''تالاب کا پانی ختم نہ ہو جائے...'' سردار چیخ کر بولا۔

''پانی ختم نہیں ہوتا۔'' طورس نے بھی چیخ کر جواب دیا۔

''وہ کیسے؟''

''پھر کبھی بتاؤں گا۔'' طورس بولا۔

آخر وہ آگ بڑھتے بڑھتے قریب آتی دِکھائی دی۔ اُس کے دھوئیں سے پوری فضا

www.urduchannel.in

اَندھیرے میں ڈوب گئی تھی۔ وہ دونوں جان توڑ کر پانی اُچھالنے لگے۔ سردار کی تو جیسے جوانی لوٹ آئی تھی۔ آگ ابھی ایک فرلانگ دوُر تھی مگر اُس کی تپش سے بدن جلنے لگا تھا جب کہ سردار اور طورس دونوں پانی میں نہائے ہوئے تھے۔

آگ نے اب ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا لیکن وہ دوُر دوُر ہی رہی درمیان میں گیلا علاقہ جو تھا۔ جدھر سے آگ قریب ہوتی نظر آتی، دونوں مِل کر اُدھر پانی کی باڑھ کر دیتے اور یوُں بھی اُن کے ہاتھ کہاں رُکنے والے تھے۔ تھوڑی ہی دیر گزری ہوگی کہ اُن کے

found.

آس پاس کی سوُکھی گھاس اور درختوں کے پتّے جل کر راکھ ہو چکے تھے اَور اب صرف درختوں کی ننگی شاخیں جل رہی تھیں جن میں پتّے نام کو نہیں تھے۔ اس وجہ سے آگ کی تپش کچھ کم ہوئی۔ پھر بھی اُنھوں نے قریب کے سارے درختوں کی آگ بُجھا کر ہی دَم لیا۔

''اب ہمیں کیا کرنا ہوگا؟'' سردار نے یوُں ہی پوچھا۔

''ہمیں تو اب اِسی جگہ ٹھہرنا چاہیے۔ اب اَندھیرا ہو چلا ہے اور چاروں طرف کے راستوں پر انگارے بکھرے ہوئے مِلیں گے، ایسے میں ہم کسی طرف بھی نہیں جا سکتے۔ ہمیں

یہیں رہ کر صبح کا اِنتظار کرنا چاہیے۔'' طورس نے کہا۔

جب ذرا سکوُن نصیب ہوا تو سردار ٹھنڈی سانس بھر کر بولنے لگا:

''بیٹے طورس! جب کبھی جنگل میں آگ لگتی ہے، ہمارے سب کاروبار چوپٹ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اِنہی جنگلوں سے ہمیں روزی روٹی مِلتی ہے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ جنگل میں آگ آخر کیوُں لگتی ہے!''

''کیوُں لگتی ہے!'' طورس نے بے خیالی میں سردار سے اُلٹا سوال کر دیا اور پھر گردن جھٹکنے لگا۔ سردار نے بولنا شروع کِیا:

''ہم جنگلی لوگوں میں جو بات مشہوُر ہے، وہ یہ ہے کہ ہماری دیوی جب ہم سے ناراض ہو جاتی ہے تو وہ سخت غصّے میں آ جاتی ہے اور دیوی کے غصّے کی گرمی سے جنگل جل اُٹھتا ہے جس سے ہماری روزی روٹی پر مار پڑتی ہے۔ اِس طرح دیوی اَپنا غصّہ اُتارتی ہے۔'

لیکن بیٹا! یہ دیوی دیوتا والی بات میرے حلق سے نہیں اُترتی۔''

''کیوُں، دیوی والی بات آپ کے دِل کو کیوُں نہیں بھاتی؟'' طورس نے پوچھا۔

''کیوُں کہ آگ تو اُن جنگلوں میں بھی لگ جاتی ہے جہاں دوُر دوُر تک کسی بستی کا نام و نشان نہیں ہوتا۔ آخر دیوی وہاں اپنا غصّہ کس پر اُتارتی ہے!''

سردار نے لمبی لمبی دو تین سانس پھر کھینچی اور بولنے لگا:

''طورس بیٹے! تمھارے اُستاد نے جنگل کی آگ کے بارے میں کچھ بتایا ہو تو تم مجھے بتاؤ کہ یہ آگ کیوُں کر لگتی ہے۔''

''چاچا، جنگل کے لوگ چقماق پتھّر رَگڑ کر آگ جلاتے ہیں۔ مَیں نے آپ کو بتلایا تھا کہ چیزوں کے آپس میں رَگڑنے سے چیزیں گرم ہو جاتی ہیں اور جل اُٹھتی ہیں۔''

''ہاں، تم نے بتلایا تھا اور وہ بات میری سمجھ میں آئی تھی۔'' سردار نے کہا۔

''تو سُنیے، مَیں بتلاتا ہوں...ہمارے اُستاد نے جو بتلایا تھا وہ یہ ہے کہ

'گرمی کے دِن ہیں، درختوں کے پتّے دھوپ سے تپ رہے ہیں۔ گرم ہَوا بھی چل رہی ہے اور اُن پتّوں کو آپس میں رَگڑ رہی ہے۔ اُس رَگڑ سے پتّوں کے بیچ آگ کی

found.

چنگاریاں بنتی ہیں۔ ایسی چِنگاریاں بہت سے درختوں پر بنتی اور بُجھتی رہتی ہیں۔ اُن میں سے کسی جگہ اِن چِنگاریوں سے درخت کے پتّے جل اُٹھتے ہیں۔ جنگل میں آگ بھڑکانے کے لئے کسی ایک جگہ پتّوں کا جل اُٹھنا کافی ہوتا ہے...'

''بس بس بیٹا! مَیں سمجھ گیا، جنگل کی آگ کا فلسفہ سمجھ گیا۔ اب پھر مَیں وہی کہوں گا کہ 'تمھارے اُستاد کی بات میں دَم ہے۔ کاش مَیں اِتنے بڑے قبیلے کا سردار...'

''اسکول پڑھا ہوتا'' رَمبا نے جھٹ بَرسم کی بات میں ٹکڑا لگایا۔

''خاموش رہنے کی بات ہوئی تھی!'' روُبی نے آنکھیں تان کر رَمبا کو یاد دِلایا۔ بَرسم پھر شروع ہوگیا:

''مَیں اِس جزیرے کا سردار ہوں۔ جب کبھی جنگل میں آگ لگتی ہے، ہماری قوم کا بڑا نقصان ہوتا ہے۔ جب جب آگ لگتی ہے، تب تب مجھے بڑی شرم محسوس ہونے لگتی ہے۔ مَیں اپنے لوگوں کی نظر سے نظر نہیں مِلا پاتا۔ میرے دِل پر اس کا اَثر بہت دِنوں تک رہتا ہے

found.

جنگل میں آگ نہ لگے، اِس کے لئے کیا کِیا جائے؟'' سردار نے طورس سے مشورہ مانگا۔

''دیکھیے چاچا! جنگل کی آگ کو روکا نہیں جا سکتا۔ سوُرج کی تپش پر کسی کا قابو نہیں ہے اور نہ درختوں کے پتّوں کو جلنے سے روکا جا سکتا ہے۔

ہاں، نقصان سے بچنے کی ایک تدبیر کی جا سکتی ہے جو میری سمجھ میں آتی ہے...''

''وہ کون سی تدبیر ہے؟'' سردار نے بڑی بے صبری سے پوچھا۔

اُس کے جواب میں طورس نے تالاب کے کنارے نقشہ بنانا شروع کر دِیا اُس جگہ کیچڑ تو تھا ہی۔ اُس نے اپنے پنجے سے جگہ جگہ کا کیچڑ سرکا کر راستے بنا دِیے، اُس نے کیچڑ میں اِس طرح راستوں کا جال بچھا دِیا کہ اُن راستوں کی وجہ سے کیچڑ کے اَلگ اَلگ چتّے بن گئے۔ پھر کیچڑ کے ایک چتّے کی طرف اِشارہ کر کے سردار سے بولنے لگا:

www.urduchannel.in

''دیکھیے سردار! اگر جنگل کے اِس علاقے میں آگ لگتی ہے تو وہ آگ اِس کے بازوٗ والے علاقے میں نہیں پہنچ پائے گی کیوں کہ بیچ میں بہت بڑا حصّہ درختوں سے خالی ہے، اِس طرح جنگل کا ایک ٹکڑا تو جل کر راکھ ہو جائے گا لیکن سارا جنگل جلنے سے بچ جائے گا...''

''واہ بیٹے طورس واہ! کیا تدبیر بتائی ہے۔ ہمارے یہاں تمھارا آنا، اِسے تو میَں قدرت کی مہربانی ہی کہوں گا۔ میَں کل سے ہی کام شروع کرواتا ہوں اور اپنے جزیرے میں جہاں جہاں ممکن ہو، وہاں وہاں آگ سے بچاؤ کی تدبیر کرتا ہوں۔ میَں جگہ جگہ کے درختوں کو چھانٹ دوں گا اور جنگل کو سینکڑوں حصّوں میں بانٹ دوں گا تا کہ آگ لگنے پر کم سے کم نقصان ہو۔''

''واہ چاچا واہ، کیا مزے دار کہانی بنائی ہے۔'' سُریب نے اپنے چاچا کو شاباشی دی۔ اِس پر جلسہ بھابھی نے دوٗر ہی سے چیخ کر اپنے نالائقوں کو ڈانٹا:

''واہ واہ کے بچّے! پڑھائی میں دِماغ لگاؤ اور نواب کی اَولاد ہو کر قبیلے کے سردار کی طرح اَن پڑھ مت رہ جاؤ... تمھارے چاچا ایسا کہہ رہے ہیں... پاگلو!''

معمّہ: آپ کی سُستی کا شُکریہ

بس کے سارے مُسافر بس ڈرائیور کو کوس رہے تھے اور ڈرائیور تھا بھی بڑا سُست آدمی؛ بہت سُست رَفتاری سے بس چلاتا ہُوا لایا تھا۔ مُسافروں کو خلدآباد کے عُرس میں جانا تھا اور قوالی شروع ہونے سے پہلے وہاں پہنچ جانا تھا۔

''بھئی یہ ڈرائیور کب ہمیں پہنچائے گا، اُسے تو جیسے کوئی فکر ہی نہیں ہے۔''

''ہم بھی اُسے ڈانٹ چکے ہیں مگر اُس کی وہی رَفتارِ بے ڈھنگی...''

''بڑا بے حَیا بھی ہے، گالی سُن کر بھی اُس کے کان پر جوٗں نہیں رینگی۔''

''کیا جی کنڈکٹر صاحب! ڈرائیور کو کچھ بولو گے بھئی؟'' مگر کنڈکٹر بڑی بے فکری سے نوٹ گِنتا رہا۔

''ارے بھئی ڈرائیور صاحب، جلدی سے یہ گھاٹ بھی تو پار کرا دو تب ہم کسی دوسری سواری سے چلے جائیں گے، دیکھو اگر تمھاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

اُس وقت بس کنّڑ گھاٹ پر تھی۔ اِتنے میں ایک خطرناک حادثہ ہوا؛ سامنے سے ایک تیز رَفتار ٹرَک جس کا بریک فیل ہو چکا تھا اور وہ گھاٹ پر سے اُتر رہا تھا، بجلی کی سی تیزی سے آیا۔ اُس نے سامنے سے بس کو ٹکّر ماردی۔ ٹکّر کے بعد ٹرَک تو وہیں رُک گیا اور بس قلابازیاں کھاتی ہوئی کنّڑ گھاٹ کی کھائی میں جا گری۔ بس کا تو کچومر بن گیا تھا۔ اب آپ کو آخری بات ہم بتلا دیں؛ وہ یہ کہ اِس حادثے کے بعد سارے کے سارے مُسافر بچ گئے، کسی کا بال بیکا نہیں ہُوا اور اُنھوں نے کنڈکٹر اور ڈرائیور کا دِل کھول کر شُکریہ اَدا کِیا۔

اب آپ بتلائیے کہ کنڈکٹر، ڈرائیور سمیت سب کے سب کیسے بچ گئے؟

www.urduchannel.in

معمّوں کے جوابات

ا۔جھُمری کی گائے: ایک لڑکی کا وزن ۳۰ ۔کلو.... پاروکاوزن ۸۰ ۔کلو
گائے کاوزن ۱۶۰ ۔کلو....بچھڑے کاوزن ۴۰ ۔کلو

....

۲۔بچّے اور کھلونے: سگومر کے ۶ بچّے تھے۔ایک کھلونے کی قیمت ۹ روپے تھی
اور دُکان دار نے ۵۴ کو ۴۵ لکھ لیا تھا۔

....

۳۔ہاتھی کاوزن: ہاتھی کاوزن ۵۰۰ ۔کلو تھا۔

....

۴۔گیند کا سفر : گیند شام ۴ بجے ندی میں گری تھی۔

....

۵۔گونگا بہرا دُکان دار: ایک ٹوپی کی قیمت ۳۷ روپے ہوتی ہے۔
بہرا دُکان دار رَبری ہرن کو ۳ کے ہندسے پر رکھے گا
اور رَبری مُرغ کو ۷ کے ہندسے پر۔اِس طرح وہ ۳۷ کا عدد بتائے گا۔

....

۶۔اِمتحان کی بس: جس طرف کی اگلی پچھلی چاک معلّق رہنے والی ہیں،اُس طرف دونوں
چاکوں کے پاس لمبے لمبے رسّے باندھے جائیں گے۔بس کے نوجوان طلبہ اُن
رسّیوں کو پکڑ کر اوپر کی پہاڑی پر چڑھ جائیں گے اور وہاں دونوں طرف کے رسّے
کھینچنے کے لئے زیادہ اوپر تک قطاریں بنالیں گے تا کہ رسّے پر سب کی طاقت اِکٹھا

www.urduchannel.in

ہو جائے۔ پھر کچھ بچّے سڑک پر بس کو آگے ڈھکیلیں گے۔ چٹان کی طرف کی دونوں چاک سڑک پر ہوں گی اور بیرونی دونوں چاک معلق رہیں گی جنھیں پہاڑی پر کے طلبہ نے اوپر کی طرف کھینچ کر اُٹھا رکھا ہے۔

اِس طرح بس چٹان کے آگے پہنچ جائے گی تو اُسے چاروں طرف کی چاک سمیت سڑک پر ٹِکا دِیا جائے گا اور بس اپنے اگلے سفر پر رَوانہ ہو جائے گی۔

(پیچھے سے آ کر رُکنے والی گاڑیوں پر رستے مِل جائیں گے)

۷۔ آپ کی سُستی کا شُکریہ: کنتڑ گھاٹ پر بس کھڑی ہوئی تھی اور کنڈکٹر، ڈرائیور سمیت سارے مُسافر بس کے نیچے اُتر کر کھڑے ہوئے تھے۔ اُن کی مذکورہ بحثیں کنتڑ گھاٹ کی سڑک پر ہو رہی تھیں نہ کہ بس کے اَندر۔ سمجھے صاحب!

IAMDAM\Desk raj.jpg not found.

کوائف

مکمل نام: محمد عمر عبدالمجید انصاری

قلمی نام: محمد عمر انصاری

ولدیت: عبدالمجید انصاری والدہ: انصاری رُقیّہ بانو عبدالمجید

تاریخ پیدائش: ۲۴/ اکتوبر ۱۹۸۸ء جائے پیدائش: مالیگاؤں

پیشہ: مدرّس (میونسپل کارپوریشن، ممبئی)

تعلیم: بی۔ اے... ڈی۔ ایڈ (بی۔ ایڈ جاری)

پہلی کہانی: مُرغی کا نرالا بچّہ (ڈیلی اَخبار 'اُردو' ٹائمز' ممبئی میں شائع ہوئی)

صحافتی کام: تعلیمی موضوع پر مضامین پہلا مضموٗن: طلبہ کی پریشانی (اردو ٹائمز)

رہائش: گھر نمبر: ۱۴۰۰، پلاٹ نمبر: ۲۵، لوٹس کالونی (گوونڈی)، ممبئی ۴۰۰۰۴۳

مشغولیات: بچّوں کا اَدب تخلیق کرنا، تعلیمی معمّے تیار کرنا

مصوری (طبع زاد اور نیٹ کی مدد سے بھی)

اعزاز: تعلیمی کانفرنسوں میں شرکت اور ری سورس پَرسن کی ذِمّہ داریاں

زیرِ ترتیب کتابیں: بچّوں کی مشہور کہانیوں کا مجموعہ (دُنیا نام رکھتی ہے)

نئی چھوٹی طبع زاد کہانیاں نئے اَدبی و حسابی معمّے